ماہنامہ
مُحدِّث
بنارس
ربیع الاول، ربیع الآخر ۱۴۴۸ھ / ستمبر ۲۰۲۶ء

جنگ آزادی میں فارغین مدارس کا کردار
الٰہیات کی غیر معمولی اہمیت اور ہماری جسارتیں
اہل سنت والجماعت کی وسطیت
سورہ (یٰس) کی فضیلت میں وارد احادیث کی تخریج وتحقیق
حق تعلیم کی جدو جہد اور ہندوستان کی نسل نو

آیۃ الکرسی

اس ایک آیت میں اللہ کی وحدانیت، اسماء وصفات، اس کی بادشاہت، اس کی جلالتِ شان اور کبریائی کا ذکر ہے، اللہ کا وسیع علم جو کائنات کے ہر چیز کو محیط ہے، اس علم کو کوئی لے نہیں سکتا، مگر اتنا ہی جتنا اللہ عطا کرنا چاہے۔ اس کے علم کا نمونہ اس کی نازل کردہ قرآن مجید ہے جو اللہ نے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کو بذریعہ وحی عطا فرمایا ہے، جس میں ساری کائنات، پیدائش سے لے کر آج تک کے حالات، واقعات، احکامات، آخرت، جنت وجہنم، پھر اس کے بعد کی زندگی سب کا علم موجود ہے۔ اس علم کے سمندر سے آج بھی لوگ نئی نئی حکمت و دانائی کی باتیں برابر حاصل کر رہے ہیں۔ جو کوئی بھی قرآن میں غور کرتا ہے اس کو نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

(درس قرآن، ستمبر ۲۰۲۶ء)

إدارة البحوث الإسلامية والدعوة والإفتاء بالجامعة السلفية، بنارس

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کا دینی واصلاحی رسالہ

ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

جلد: ۴۳	ربیع الاول وربیع الآخر ۱۴۴۸ھ	ستمبر ۲۰۲۶ء	شمارہ: ۹

سرپرست: عبداللہ سعود سلفی ناظم اعلی، جامعہ سلفیہ، بنارس

ایڈیٹر	نائب ایڈیٹر	معاون ایڈیٹر
دل محمد سلفی	مجیب الرحمن سلفی	محمد فاروق سلفی
استاد جامعہ سلفیہ، بنارس	استاد جامعہ سلفیہ، بنارس	استاد جامعہ سلفیہ، بنارس

بدل اشتراک

سالانہ	600	روپئے
طلبہ سے	300	روپئے
بیرون ملک	50	ڈالر
محسنین سے	خصوصی تعاون	

تعاون درج ذیل کھاتہ میں ارسال کریں

MAKTABA SALAFIAH
A/c No. 21044950126
INDIAN BANK, KAMACHHA, VARANASI
IFSC Code: IDIB000V509

فی شمارہ -/Rs.50

خط وکتابت کے لیے:

ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، وارانسی، یوپی

Editor Mohaddis, Jamia Salafiah, B-18/1-G, REORI TALAB, VARANASI - 221010 (U.P.) INDIA

الناشر: إدارة البحوث الإسلامية والدعوة والإفتاء بالجامعة السلفية، بنارس

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	موضوعات	عناوین	مضمون نگار	صفحہ
۱	درس قرآن	آیۃ الکرسی	عبداللہ سعود سلفی	۳
۲	درس حدیث	صحابہ کرام اور ان کا ادب واحترام	ڈاکٹر عبدالحلیم مدنی	۶
۳	افتتاحیہ	جنگ آزادی میں فارغین مدارس کا کردار	ابوصالح دل محمد سلفی	۸
۴	عصر حاضر	حق تعلیم کی جدو جہد......	ثناءاللہ صادق تیمی	۱۱
۵	عقائد	الٰہیات کی غیر معمولی اہمیت....	صلاح الدین مقبول احمد مدنی	۱۳
۶	عقائد	اہل سنت والجماعت کی وسطیت	مجیب الرحمن سلفی	۱۶
۷	تحقیقات	سورہ (یس) کی فضیلت....	ڈاکٹر امیر الاسلام بن بحر الحق المدنی	۲۳
۸	اسلامیات	فہم کتاب وسنت کے لیے عربی....	محمد فاروق سلفی	۲۸
۹	تعلیم وتربیت	حالات جب بھی مختلف ہوں	عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی	۳۳
۱۰	گوشۂ طلبہ	اردو ادب کی ترویج واشاعت....	محمد عیاض وکیل احمد	۳۶
۱۱	روداد چمن	جامعہ کے شب وروز	ابوصالح دل محمد سلفی	۳۹
۱۲	فقہ وفتاوی	باب الفتاوی	ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی	۴۶

درس قرآن

آیۃ الکرسی

عبداللہ سعود سلفی

قرآن مجید میں اللہ تعالی کی توصیف اور اس کی عظمت اور کبریائی کے بیان میں ایک جامع آیت ''آیۃ الکرسی'' ہے جو قرآن کے تیسرے پارہ میں سب سے بڑی سورہ، سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ ہے۔

اللہ جل جلالہ اپنی عظمت اور کبریائی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾

اللہ ہی معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ ہے اور تھامنے والا، قائم رکھنے والا ہے۔ اس کو اونگھ اور نیند لاحق نہیں ہوتی، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کرسکے؟ وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ اور کوئی بھی ہو اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی کی وسعت نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے اور ان دونوں کی حفاظت اللہ کو تھکاتی نہیں ہے۔ وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

یہ آیۃ الکرسی کا ترجمہ ہے، جس کا ایک ایک فقرہ میں اللہ تعالی کے کسی نہ کسی خاص صفت کا بیان ہے۔

اس ایک آیت میں اللہ کی وحدانیت، اسماء وصفات، اس کی بادشاہت، اس کی جلالتِ شان اور کبریائی کا ذکر ہے، اللہ کا وسیع علم جو کائنات کے ہر چیز کو محیط ہے، اس علم کو کوئی لے نہیں سکتا مگر اتنا ہی جتنا اللہ عطا کرنا چاہے۔ اس کے علم کا نمونہ اس کی نازل کردہ قرآن مجید ہے جو اللہ نے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کو بذریعہ وحی عطا فرمایا ہے، جس میں ساری کائنات، پیدائش سے لے کر آج تک کے حالات، واقعات، احکامات، آخرت، جنت وجہنم، پھر اس کے بعد کی زندگی سب کا علم موجود ہے۔ اس علم کے سمندر سے آج بھی لوگ نئی نئی حکمت و دانائی کی باتیں برابر حاصل کر رہے ہیں۔ جو کوئی بھی قرآن میں غور کرتا ہے اس کو نئی معلومات

حاصل ہوتی ہیں۔

اللہ کتنا بڑا ہے اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

وہ زندہ ہے اور اپنے بندوں کی حفاظت کرنے والا اور کائنات کے نظام کو چلانے والا ہے۔ اس کو اونگھ اور نیند لاحق نہیں ہوتی ہے۔ دن ہو یا رات ہر وقت وہ اپنے بندوں کی فریاد سنتا ہے اور ان کی حرکات کو دیکھتا ہے۔

آیۃ الکرسی قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت ہے۔ اس کو سمجھ کر اور ایمان کے ساتھ پڑھنے سے اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور شیطان کے شر سے حفاظت حاصل ہوتی ہے۔

آیۃ الکرسی کے ہر ایک جملہ پر غور کریں!

اس آیت میں سب سے پہلے اللہ کی توحید کا بیان ہے۔ یعنی اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور عبادت کے لائق صرف اللہ ہی کی ذات ہے، اللہ کے علاوہ جن جن کی جس شکل وصورت میں عبادت کی جاتی ہے ان میں کوئی حقیقت میں عبادت کے لائق نہیں ہیں بلکہ سب معبود باطل ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ لقمان (آیت نمبر ۳۰) میں فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾.

(رات و دن کا آنا جانا، سورج و چاند کا ایک مضبوط نظام کے ساتھ چلنا) سب اس بات کی دلیل ہے کہ ان سب کا مالک اور اللہ کا وجود حق ہے اور اللہ کے علاوہ جن جن کو لوگ پکارتے ہیں سب باطل ہیں اور یہ کہ اللہ (سب سے) بلند اور بڑا ہے۔

جتنے بھی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور اللہ کے رسول اس دنیا میں آئے سب کی اولین اور بنیادی تعلیم یہی تھی۔ جیسا کہ سورہ انبیاء آیت نمبر ۲۵ میں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾.

آپ سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجا ان کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

اللہ کی وحدانیت کے بیان کے بعد دو لفظ "الْحَيُّ الْقَيُّومُ" اللہ تعالی کے اسمائے حسنی میں سے ہیں یعنی اللہ زندہ ہے اور سب چیزوں کا تھامنے وقائم رکھنے والا ہے۔

اللہ کی ذات زندہ وجاوید ہے جس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ" کہ اس کو اونگھ اور نیند لاحق نہیں ہوتی۔ وہ ہر آن و ہر لمحہ اپنے مخلوقات کی نگہداشت کر رہا ہے۔ اللہ کے علاوہ جن جن کی پوجا وعبادت کی جاتی ہے، سب مردہ وبے جان ہیں، ان کے اندر کوئی حس وشعور نہیں ہے۔

سورہ نحل کی آیت نمبر ۲۰و۲۱ میں ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ، أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾. اور جن جن

کولوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا ہے بلکہ وہ پیدا کئے گئے ہیں، جو (حقیقت میں) مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں (ان کے اندر جان وحس نہیں ہے) ان کو اس کا بھی شعور نہیں ہے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

"الْحَيُّ الْقَيُّومُ" اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے دو صفتی نام ہیں۔ ان کی کیا اہمیت ہے۔ صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کو غم وفکر لاحق ہوتی تو دعا کرتے: "يا حي يا قيوم برحمتك أستغيث". اے حی و قیوم میں تیری رحمت سے تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔ (مستدرک علی الصحیحین: ۱۸۷۵)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر والے دن، میں دوڑتا ہوا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس پہنچا کہ آپ کا حال معلوم کروں تو میں نے دیکھا آپ سجدہ میں تھے اور زبان سے یہی کہہ رہے تھے: یا حی یا قیوم، یا حی یا قوم۔ اس کو بار بار دہرا رہے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (اپنی بیٹی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا، تجھے کیا ہوگیا ہے میری بات نہیں سنتی، میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں کہ صبح وشام جب بھی موقع پاؤ یہ دعا پڑھا کرو:

"يا حي يا قيوم برحمتك أستغيث، أصلح لي شأني كله ولا تكلني إلى نفسي طرفة عين".

اے حی و قیوم اپنی رحمت سے میری مدد فرما، میرے تمام کاموں کو میرے لیے سدھار دے اور آنکھ کے جھپکنے بھر بھی مجھے میری اپنی نفس پر نہ چھوڑ۔ (مکارم الأخلاق للخرائطی: ۸۷۳۰)

ان احادیث سے "الْحَيُّ الْقَيُّومُ" کی عظمت کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

آگے فرمایا: "لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ" یعنی جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں پایا جاتا ہے سب کچھ اسی کا ہے۔

آسمانوں میں جو کچھ نظر آتا ہے اور جو کچھ انسان نے دریافت کیا ہے اور زمین میں جتنے اقسام کی مخلوقات پائی جاتی ہیں ان کا آج تک نہ کوئی احصاء کر پایا ہے نہ کبھی ان کو گن پائے گا۔ اللہ فرماتا ہے یہ تمام چیزیں میری بنائی ہوئی اور میرے قبضہ وقدرت میں ہیں اور سب کا مالک میں ہوں۔

جب کائنات کی تمام چیزیں اللہ کی ملکیت میں ہیں تو پھر کسی کو اس میں تصرف کا اختیار کہاں سے مل سکتا ہے۔ اس لیے جو لوگ بھی کسی کو مشکل کشا وحاجت روا مانتے ہیں یا کسی سے سفارش کی امید رکھتے ہیں وہ توحید کے خلاف شرکیہ عقیدہ ہے جس سے اللہ کی ذات پاک وصاف ہے۔

(جاری)

□□□

درس حدیث

صحابہ کرام اوران کا ادب واحترام

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ مدنی
استاد جامعہ سلفیہ بنارس

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ''لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ''.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ میں سے کسی ایک کو بھی برا بھلا نہ کہو، کیونکہ تم میں سے اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے، تب بھی وہ میرے کسی ایک صحابی کے ایک مُدّ (صدقہ) کے برابر، بلکہ اس کے نصف مُدّ (صدقہ) کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا''۔ (صحیح بخاری:3673،صحیح مسلم:2541)

راویِ حدیث کا تعارف:

راویِ حدیث جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید سعد بن مالک بن سنان الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کا تعلق مدینہ منورہ کے مشہور قبیلہ خدرہ سے تھا، اسی نسبت سے آپ ''خدری'' کہلاتے ہیں۔ آپ کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور شہید ہوئے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کم عمری کی وجہ سے غزوۂ اُحد میں شریک نہ ہوسکے، البتہ غزوۂ خندق سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد غزوات میں شریک رہے۔ آپ علم و فقہ کے اعتبار سے ممتاز صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے (1170) سے زائد احادیث روایت کیں، اس لیے آپ مکثرین حدیث صحابہ میں شامل ہیں۔ صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا۔ آپ نے مدینہ منورہ میں تدریس وافتاء کا عظیم کام انجام دیا۔ آپ کی وفات 74ھ (بعض روایات کے مطابق 63ھ یا 65ھ) میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ (مرعاۃ المفاتیح (1/ 80)۔

تشریح حدیث:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت، محبت اور احترام کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو''۔ یعنی کسی بھی صحابی کی توہین، تنقیص، گالی گلوچ یا عیب جوئی سے مکمل اجتناب کیا جائے، کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی صحبت اور دین اسلام کی نصرت کے لیے منتخب فرمایا۔ انہوں نے ایمان، اخلاص، ایثار، ہجرت اور جہاد کی بے نظیر مثالیں قائم کیں اور دین اسلام کی حفاظت و اشاعت کے لیے اپنی جان، مال اور ہر عزیز چیز کو قربان کر دیا۔ قرآنِ کریم نے جگہ جگہ ان کی تعریف فرمائی، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی محبت، تعظیم اور ادب کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان سے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اعلان فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ

عَنۡهُمۡ وَرَضُوا عَنۡهُ﴾ (التوبہ:100)

”مہاجرین و انصار میں سے سبقت لے جانے والے اولین اور وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے“۔ اسی طرح فرمایا: ﴿لَقَدۡ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِينَ إِذۡ يُبَايِعُونَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:18)

”اللہ تعالیٰ ان مومنین سے راضی ہوگیا جو تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے“۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بعد میں آنے والا کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے، تب بھی وہ کسی صحابی کے ایک ”مُد“ (تقریباً آدھا کلو کے قریب) یا اس کے نصف خرچ کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ بعد والوں کا صدقہ قبول نہیں، بلکہ اس کی وجہ صحابہ کرام کی وہ عظیم فضیلت ہے جو انہیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت، دین کی نصرت، قربانی، اخلاص، ہجرت، جہاد اور اسلام کے ابتدائی سخت ترین دور میں دین پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس حدیث میں صحابہ کرام کی بے مثال فضیلت بیان کی گئی ہے، اور یہ کہ ان کی تھوڑی سی نیکی بھی بعد والوں کی بہت بڑی نیکی سے افضل ہے، کیونکہ ان کے اعمال ایسے وقت میں ہوئے جب اسلام کمزور تھا، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی براہِ راست نصرت کی“۔ (شرح صحیح مسلم 16/93)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صحابہ کی فضیلت ان کی صحبتِ نبوی، اخلاص اور دین کی خدمت کی بنا پر ہے، جس میں بعد والا کوئی شخص ان کے برابر نہیں ہوسکتا“۔ (فتح الباری 7/34)

صحابہ کرام سے محبت کو اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان کی علامت قرار دیا ہے، فرمایا: «آيَةُ الإِيمَانِ حُبُّ الأَنْصَارِ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الأَنْصَارِ» (صحیح بخاری: 17، 3784، صحیح مسلم: 74) ”انصار سے محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض نفاق کی علامت ہے“۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں وارد نصوص کی بنیاد پر تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام سے محبت رکھی جائے، ان کے فضائل کا اعتراف کیا جائے اور ان کے بارے میں ہمیشہ خیر اور احترام کی بات کی جائے، ان کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کے بارے میں زبان کو روکا جائے، ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے اور ان کی عزت وتوقیر کو ایمان کا تقاضا سمجھا جائے، اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حدیث سے مستفاد مسائل

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی، سب وشتم اور تنقیص کبیرہ گناہ ہے۔

۲۔ صحابہ کرام تمام امت میں سب سے افضل اور بہترین لوگ ہیں۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت ایک ایسی فضیلت ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

۴۔ تمام صحابہ کرام سے محبت رکھی جائے، ان کے لیے دعا کی جائے اور ان کے بارے میں حسنِ ظن اختیار کیا جائے۔

۵۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ صحابہ کرام کے ایمان، اخلاص، ایثار، تقویٰ اور اتباعِ سنت کو اپنے لیے نمونہ بنائیں۔

***

افتتاحیہ

جنگ آزادی میں فارغین مدارس کا کردار

مدیر

"ہندوستان" جنوبی ایشیا میں واقع ایک عظیم وقدیم اور تاریخی ملک ہے، جو آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھی ہے۔ یہ ملک گنگا جمنی تہذیب، رنگا رنگ کلچر اور اپنی منفرد ثقافت وشاندار تاریخ کے لحاظ سے پوری دنیا میں معروف ومشہور ہے۔

ہندوستان کی سب سے بڑی خوبی اور امتیازی خصوصیت "کثرت میں وحدت" ہے، جہاں مختلف مذہبوں، متنوع زبانوں، اور متعدد ثقافتوں کے لوگ صدیوں سے باہم میل جول، الفت ومحبت، اخوت و بھائی چارگی اور خیرخواہی و ہمدردی کے ساتھ زندگی گزارتے چلے آرہے ہیں۔ ہمالیہ کے بلند و بالا اور طویل وعریض پہاڑوں سے لے کر بحر ہند کے حسین وجمیل اور خوبصورت ساحلوں تک، اس ملک کا جغرافیہ بھی انتہائی جامع ومتنوع ہے، جو بھارت کو ایک منفرد و یکتا اور دلکش وخوش نما اور جاذبِ نظر ملک بناتا ہے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہندوستان اپنی طویل ترین تاریخ میں مختلف ادوار واوقات میں متعدد سیاسی وسماجی، اقتصادی و معاشی جیسے سنگین حالات سے گزرا ہے، کبھی بیرونی حملوں سے دو چار ہوا ہے تو کبھی اندرونی کشمکش سے پریشان ہوا ہے۔

لیکن ہندوستان کی یہ تاریخ رہی ہے کہ اس نے مشکل ترین گھڑی اور شدید بحران میں بھی استقامت وثابت قدمی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا ہے، اور اپنی اجتماعی کوششوں سے آگے بڑھتا رہا ہے اور روز افزوں ارتقائی منازل طے کرتا رہا ہے۔

کچھ اسی طرح کا پُر خطر ماحول اور پُرآشوب فضاء انیسویں صدی کے عہد وسطی کی تھی، جسے تاریخ ہند کا انتہائی سیاہ دور کہنے میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا، یہی وہ پرخطر و پرآشوب زمانہ ہے جس میں انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ اور ظالمانہ حکومت ہندوستان میں اپنی جڑیں مضبوط کرنے کی طرف گامزن تھی اور سلطنت مغلیہ اپنا دم توڑ رہی تھی اور بڑی تیزی سے مائل بہ زوال تھی۔

1600ء میں انگریز ہندوستان میں تاجر اور سوداگر کی حیثیت سے ایک منظم سازش کے تحت آئے اور یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ان کی کوٹھیاں بنیں، ان دِنوں سلطنت مغلیہ مستحکم تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ انگریز، سلطنتِ مغلیہ کے مسلم حکمرانوں کا شکریہ ادا کرتے، ان کی عزت واحترام کرتے، ان کی وسعت قلبی وحسن معاملگی اور اچھے برتاؤ کا گن گاتے اور ملک ہندوستان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے، ملکی تعمیر وترقی میں مغلیہ سلطنت کا ساتھ دیتے اور اس کے خلاف کوئی کام ہرگز نہ کرتے۔ لیکن بدطینت انگریزوں کا برا ہو کہ انہوں نے

بھارت کے مسلم حکمرانوں کے ساتھ غداری و بے وفائی کی، سازش و دسیسہ کاری کی، ہندوستانیوں کے خلاف شاطرانہ چال اور دجل وفریب سے کام لیا اور خفیہ پلاننگ کے تحت تجارت و بیوپار کی آڑ میں بڑی عیاری سے ہند و اہل ہند کا جائزہ لیا، ان کی کمزوریوں کو نوٹ کیا اور سلطنت مغلیہ کی شرافت وخیر خواہی اور انگریزوں کے منافقانہ چال سے ان کی لاعلمی و بے توجہی اور ہندی قوم کی سادہ لوحی وفراخ دلی کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے آہستہ آہستہ سرزمین ہندوستان پر اپنا قبضہ جمانا شروع کر دیا، اور بالآخر مغلیہ سلطنت کو بے اثر کر کے پورے ملک میں اپنی حکومت قائم کر دی اور ہندوستانیوں کو محکومی وغلامی کے طوقوں اور جبر واستبداد کی زنجیروں میں جکڑ دیا اور دنیا کی تاریخ نے وہ ناگفتہ بہ حالات اور المناک دور بھی دیکھا کہ ہندوستان کے آزاد باشندے خود اپنے ملک میں محکومی ومظلومی اور غلامی کی زندگی گزارنے لگے۔

انگریزی تسلط سے ہندوستان کو پاک کرنے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے ملک بھر میں بلاتفریق مذہب وملت تمام ہندوستانیوں نے غاصب انگریزوں کی مخالفت ومزاحمت کی اور ان سے برسر پیکار ہوئے اور حصول آزادی تک تن من دھن کی قربانیاں دیتے رہے اور جب افق ہند پر آفتاب حریت طلوع ہوا تو دم اور سکون کی سانس لی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگ آزادی میں تمام ہندوستانیوں نے حصہ لیا لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انگریزوں نے چونکہ ہندوستان کو مسلمانوں سے چھینا تھا اور یہاں سے مسلمانوں کی حکومت کو دجل وفریب اور جبر واستبداد کے ذریعہ ختم کیا تھا اور اپنی حکومت قائم کی تھی اس لئے فطری طور پر انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مسلمان بھڑکے اور اٹھ کھڑے ہوئے اور ملک کو آزاد کرنے کے لئے برٹش گورنمنٹ کے خلاف پورے دیش میں جنگ آزادی کی فضا قائم کی اور برادران وطن کو اس پر آمادہ کیا۔

اس تاریخی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے جنگ آزادی کے اسباب و وجوہات، سیاق وسباق، اس میں پیش آمدہ حادثات و واقعات اور اس میں انجام دی گئی جد وجہد، محنت ومشقت اور تگ و دو کو بہ نظر انصاف مطالعہ کرنے والا بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ہندوستان کی حریت وآزادی کے حصول کے لئے جو جانی ومالی قربانیاں دی گئی ہیں ان میں مسلمانوں کا حصہ نسبتاً کافی زیادہ ہے، تحریک آزادی کے ہر موڑ پر مسلمان پیش پیش رہے ہیں بلکہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف سب سے پہلے علمائے اسلام نے فتوی دیا اور آواز اٹھائی اور علم بغاوت بلند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی کی اس لڑائی میں ظالم انگریزوں کے ہاتھوں جانی ومالی نقصان سب سے زیادہ مسلمانوں کو ہوا، ان کو زیادہ تعداد میں پھانسی وقتل کی سزا دی گئی، زیادہ مقدار میں ان کی جائدادیں وملکیتیں ضائع کی گئیں اور کافی تعداد میں مساجد ومدارس بربادی کی نذر ہوئے۔

تاریخی حقائق گواہ ہیں کہ ملک ہندوستان کے خلاف انگریزوں کے پلید عزائم اور غاصبانہ پلاننگ کو سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عقابی نگاہ نے بھانپا تھا اور اسی خاندان ولی اللہی کے جیالوں اور ان کے مسند درس کے فیض یافتگان نے سب سے پہلے انگریزوں کے ساتھ تعاون نہ کرنے اور ان کے خلاف جہاد کرنے کا دورس فتوی دیا جن کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ائمہ مساجد، مساجد کے مصلوں سے

،خطباء منبروں سے اور مدرسین درسگاہوں سے نکل کر ملک کی خاطر میدان جہاد میں کود پڑے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انگریزوں کے ساتھ برسر پیکار ہوئے،لاکھوں علمائے کرام نے اس ملک کی آزادی کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیااور جام شہادت نوش فرمایا،عورتیں بیوہ ہوئیں اور بچے یتیم ہوئے نیز لاکھوں علمائے اسلام نے جیل کی سلاخوں کے پیچھے اپنی زندگی کے قیمتی اوقات صرف کئے،ان کی جائداد اور مال و دولت لوٹ لی گئی اور بھارت دیش پر جب تک آفتاب حریت طلوع نہیں ہوااور ملک کو آزادی نہیں ملی انہوں نے چین وسکون اور راحت وآرام کو اپنے لئے روا نہیں گردانا ،اور حریت وآزادی کے مجاہدین کا یہ قافلہ مدارس اسلامیہ ہی کے فیض یافتگان وخوشہ چیں اور فارغین تھے۔الغرض مدارس کے فارغین کی خدمات وکردار کے بغیر جنگ آزادی کی تاریخ ناقص ونامکمل ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان مدارس میں جو نصاب تعلیم پڑھایا جاتا ہے اور جو کلاسس لی جاتی ہیں ان کے سارے مضامین فطرت انسانی سے ہم آہنگ اور انسانیت نواز ہوتے ہیں ، ملک وملت اور انسانیت کے خلاف یا تخریب کاری سے متعلق کسی بھی مضمون ومواد اور سبق کی گنجائش مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم وتربیت میں قطعا نہیں رکھی گئی ہے، وہاں بنیادی طور پر اخلاقیات وادبیات ،قرآن وحدیث ،فقہ وتاریخ اور سیرت وغیرہ تعمیری مادوں کی تعلیم دی جاتی ہے،جس کا مقصد اساسی اور غرض اصلی صرف اور صرف یہ ہے کہ زیر تعلیم ہر طالب علم سماج ومعاشرہ کے لئے مفید،امت کا مصلح،قوم کا معمار اور ملک کا حامی ووفادار تیار ہو۔

معزز قارئین!جنگ آزادی میں مدارس اسلامیہ کے فارغین کے جہود ومساعی اور جانی ومالی قربانیاں وہ تاریخی حقائق اور انمٹ نقوش ہیں جن کا اعتراف اپنوں وغیروں سبھوں نے کیا ہے، جنگ آزادی میں فارغین مدارس کے کلیدی کردار کو تسلیم کرتے ہوئے ولیم وس ہنٹر (W.W HUNTER) رقمطراز ہیں :" مذہبی دیوانوں کا مقصد فوت ہوتا نظر آرہا تھا مگر پٹنہ(صادق پور) کے خلیفاؤں (فارغین مدارس) کے دینی جوش اور ان کے قبضہ میں کثیر وسائل کی دستیابی نے مقدس جھنڈا کو دوبارہ زمین پر کھڑا کر دیا،انہوں نے ہندوستان کو اپنے کارناموں سے بھر دیا"۔(ہمارے ہندوستانی بھائی:49-50)

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس حقیقت کا اعتراف بایں الفاظ کیا ہے:" اگر ہمارے ملک کے حریت پسندوں کے وطن کی آزادی کی خدمات ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسرے پلڑے میں صرف علمائے صادق پور(جو کہ فارغین مدارس تھے،ان) کی خدمات ،ڈال دی جائیں تو صادق پوری علماء کا پلڑا بھاری ہو جائے گا،،۔(تحریک آزادی اور علماء اہل حدیث)

مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ نے اسی حقیقت کو اس طرح سے بیان کیا ہے :" اگر جانثاری ،ایثار وقربانی اور ہمت وجواں مردی کے وہ سارے کارنامے جو اس ملک کے جہاد ،حریت اور قومی آزادی کی تاریخ سے متعلق ہیں ایک پلڑا میں رکھے جائیں اور اہل صادق پور کے کارنامے اور قربانیاں ایک پلڑا میں تو آخر الذکر پلڑا نمایاں طور پر بھاری ہوگا"۔(جب ایمان کی بہار آئی :256)□□

عصر حاضر

حق تعلیم کی جدوجہد اور ہندوستان کی نسل نو

ثناءاللہ صادق تیمی
مکہ مکرمہ

مولانا ثناءاللہ صادق تیمی حفظہ اللہ کا تعلق مرول، سیتامڑھی، بہار سے ہے۔ جامعہ امام ابن تیمیہ، مشرقی چمپارن، بہار سے فراغت کے بعد انہوں نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے اور ایم فل کیا۔ بعد ازاں جامعہ امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدہ پر بھی فائز ہوئے۔ ابھی حرم مکی میں فوری مترجم کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سماجی وملی مسائل کے ساتھ اسلامی افکار ونظریات پر آپ کے مضامین ومقالات اور منظوم کلام ملک و بیرون ملک کے رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

فرد وسماج کی تعمیر وترقی میں تعلیم کی بنیادی اہمیت کا احساس پوری دنیا کو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کو ترقی یافتہ اور بعض ترقی پذیر ممالک میں ہر بچے کا پیدائشی حق مانا جاتا ہے۔ ہندوستان ان ملکوں میں سے ایک ہے جس نے حق تعلیم کو منظور کیا ہے۔ تعلیم فرد کو صرف کامیاب نہیں بناتی وہ اس کی تعمیر کرتی ہے، اس کے ذہن وشعور کی آبیاری کرتی ہے، اسے اچھا شہری بناتی ہے، جینے کے آداب سکھاتی ہے، اپنے اور دوسروں کے حقوق اور اپنی اور دوسروں کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتی ہے، خیر وشر میں تمیز کی صلاحیت دیتی ہے اور پھر اس قابل بھی بناتی ہے کہ ایک فرد سماج ومعاشرے کے لیے مفید عنصر بن کر جی سکے۔

ہندوستان جیسے ممالک کا اصل اثاثہ اس کے نوجوان ہیں۔ ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی آبادی والا ملک ہے اور اس بڑی آبادی میں نوجوانوں کا تناسب نصف سے بھی زیادہ ہے۔ یہ نوجوان ملک کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اچھی تعلیم اور بہتر ہنر سے لیس ہوں۔ ویسے پوری دنیا میں ہندوستان کا نظام تعلیم اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے، یہاں کے سند یافتہ افراد دنیا کے دوسرے ممالک میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ طبابت، ہندسہ، معیشت، فن وادب ہی میں نہیں السنہ اور دوسرے میدانوں میں بھی وہ اچھا اثر چھوڑنے میں کامیاب ہیں۔ یورپ، امریکہ اور مشرق وسطی میں ہندوستان کے تعلیم یافتہ افراد کی مانگ پائی جاتی ہے۔

ہندوستان کی معیشت کو مضبوط کرنے اور عالمی سطح پر اسے بہتر پہچان دلانے میں یہ نوجوان بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ درون ملک اچھی تعلیم وتربیت سے لیس ہوکر جب یہ سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں خدمات انجام دیتے ہیں تو ان کی خدمتوں کے مثبت اثرات دیکھے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک اگر کامیاب طریقے سے چل رہا ہے اور مختلف سطحوں پر یہ چیز نوٹ کی جارہی ہے کہ ملک کا سفر ترقی کی طرف بھی ہے تو اس میں ایسے قابل نوجوانوں کے کردار سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مسئلہ ضرور ہے کہ بالعموم سیاست دانوں کی ہنگامہ خیز اور مبالغہ آمیز تعریفوں کے نیچے قابل نوجوانوں کی شہرت دب کر رہ جاتی ہے۔

اس تناظر میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ

ہندوستان کے نظام تعلیم میں اگر کوئی گڑبڑی ہوتی ہے یا کسی قسم کی کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے تو یہ ملک اور نسل نو کے لیے انتہائی نقصاندہ ہے۔ پیشہ وارانہ تعلیم میں ہندوستانی نوجوانوں کی کامیابی نے نسل نو کی بہت حوصلہ افزائی کی ہے۔ ماں باپ اپنے بچوں کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ہر طرح کی قربانی دیتے ہیں اور یہ نئی پود محنت کے بل بوتے آگے بڑھنے کی جدوجہد کرتی ہے۔ ایسے میں کسی ایسی خبر کا سامنے آنا کہ یہ نظام کہیں سے کسی خلل کا شکار ہوا ہے، تکلیف دہ ہی ہوتا ہے۔

مقابلہ جاتی اور دوسرے امتحانات کے پرچوں کا بار بار پہلے ہی منکشف ہو کر باہر آ جانا اور امتحانات کو ملتوی کرنے پر مجبور ہونا جہاں حکومت اور اس نظام تعلیم کے ذمہ داروں کے لیے پریشان کن ہے وہیں پھر دوبارہ اسی امتحان کے لیے تیار ہونا طلبہ کے لیے کم الجھن کا باعث نہیں۔ یہ اطلاعات تکلیف دہ تو ہوتی ہیں کہ بعض طلبہ نے خودکشی کر لی لیکن اس طرح کے معاملات میں طلبہ جس قسم کی الجھنوں سے گزرتے ہیں، ایسے میں ایسے اقدامات پوری طرح بعید از قیاس نہیں کہے جا سکتے۔

بار بار کے پیپر لیک کے بعد نئی نسل جس طرح اس نظام تعلیم کے خلاف سڑکوں پر اتر آئی اور جوابدہی طے کرنے کا مطالبہ کرنے لگی، اس سے بھی اس حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ معاملہ براہ راست انہیں کس قدر متاثر کرتا ہے۔ یہ خوش آئند بات ہے کہ دیر ہی سے سہی حکومت نے بھی اس معاملے پر توجہ دی، سخت قانون بنایا اور آئندہ کے لیے جیسے ایک طرح سے یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ پیپر لیک دوبارہ نہیں ہوگا۔ دیکھنا دلچسپ یہ ہوگا کہ قانون کو کس طرح عمل میں لایا جاتا ہے، کیوں کہ یہ معلوم بات ہے کہ صرف قانون سازی تو مسئلے کا حل نہیں۔

البتہ ہندوستان میں بنیادی تعلیم، اعلا روایتی تعلیم اور پیشہ وارانہ تعلیم سے جڑے اور بھی بہت سے بنیادی اور گہرے مسائل ہیں۔ دن بہ دن سرکاری تعلیمی ادارے جس طرح کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور پیشہ وارانہ تعلیم جس قدر مہنگی ہوتی جا رہی ہے وہ انتہائی درجے میں تشویش کا باعث ہیں۔ حکومت کو اس بات کی باضابطہ کوشش کرنی چاہیے کہ تعلیم کا یہ دروازہ یکساں طور پر سب کے لیے کھلا رہے۔ اگر تعلیم ہی ترقی و تعمیر کا ذریعہ ہے اور یقینا ہے تو سرکاری تعلیمی اداروں کو کمزور کر کے ان کی جگہ مہنگے نجی اداروں کا پھیلتے جانا ملک کی اس بڑی آبادی کو یقینی طور پر تعلیم سے محروم کرنا ہے جو حصول تعلیم کے لیے مہنگی فیس نہیں دے سکتی۔ حزب اختلاف کے رہنما اس معاملے کو جس طرح اٹھاتے ہوئے نظر آئے، اس میں ایک روشنی کی کرن نظر آئی۔ سیاسی رہنماؤں کے ساتھ سماجی اور تعلیمی مفکرین و دانشوران کو اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور وہ راہ نکالنی چاہیے کہ غریب محنتی طلبہ کے لیے اعلا پیشہ وارانہ تعلیم کی راہ کھلی رہے۔ تعلیم کو اس طرح تجارت بنا دینا کہ وہ غریبوں کے لیے بس خواب بن کر رہ جائے، نہ ملک کے حق میں ہے اور نہ سماج کے۔ یہاں اس بات کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے کہ ہمارے آئین نے ہمیں اس کا بھی پابند کیا ہے کہ ہم تمام شہری کے لیے تعلیم و ترقی کے یکساں مواقع فراہم کرنے کی کوشش کریں۔

پیپر لیک کا مسئلہ بہت اہم ہونے کے باوجود عارضی ہے جب کہ حصول تعلیم کے لیے آگے بڑھتی جا رہی رکاوٹوں کا معاملہ انتہائی سنگین اور مستقل پریشانی کا باعث ہے اور اگر جلد توجہ نہ دی گئی تو اس کے نتائج بہت زیادہ مضرت رساں ہوں گے۔ □

عقائد

الٰہیات کی غیر معمولی اہمیت اور ہماری جسارتیں

شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی

مولانا صلاح الدین بن مقبول اَحمد صاحب مدنی حفظہ اللہ کا تعلق اونرہوا، بلرامپور، اتر پردیش سے ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کا مدرسہ ”نورالھدیٰ“ میں اور مرحلۂ متوسطہ کی تعلیم مدرسہ شمس الھدیٰ، سدھارتھ نگر اور جامعہ رحمانیہ، بنارس میں مکمل کی، اس کے بعد جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں چارسال میں عالمیت کا 1974ء میں کورس اور دوسال میں فضیلت کا کورس 1976ء میں مکمل کیا۔ بعد ازاں آپ نے عالم اسلام کے معروف علمی و مرکزی درسگاہ جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ میں کلیۃ الحدیث الشریف والدراسات الاسلامیۃ میں داخلہ لیا، اور چارسال میں کلیہ کا کورس مکمل کر کے 1981ء میں لیسانس کی سند ممتاز نمبر سے حاصل کی، بعد ازاں آپ نے کویت میں وزارۃ الاَوقاف کے شعبہ مساجد میں مدیر مسؤول کی حیثیت سے پھر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، دہلی میں اسلامک ریسرچ اکیڈمی میں نگراں کی حیثیت سے دینی و اصلاحی، دعوتی و تبلیغی، علمی و تحقیقی اور تصنیفی و تالیفی خدمات انجام دیا، آپ اردو و عربی دونوں زبان میں جماعت کے نہایت قابل اور مایاۂ ناز مؤلف و مصنف اور قلمکار ہیں، آپ کے قلم سے دسیوں علمی و تحقیقی کتابیں عربی و اردو میں منظر عام پر آچکی ہیں، ملک و بیرون ملک کے رسائل ومجلات میں آپ کے وقیع مقالات وعلمی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

رب کائنات کا تعارف اور اس کی الوہیت وعبودیت، ربوبیت وخالقیت اور اسماء وصفات اور افعال کا بیان قرآن حکیم نے نہایت سہل اور بہترین (BEST) انداز میں کیا ہے جس کے افہام وتفہیم میں نہ کوئی پیچیدگی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی موشگافی۔

جب خوارج، قدریہ، جہمیہ، معتزلہ اور روافض جیسے فرقوں کا وجود عمل میں آیا اور انھوں نے اپنے گمراہ کن عقائد اور باطل افکار ونظریات کی نشر واشاعت شروع کی تو اللہ عزوجل کے تعارف اور اس کی تعریف میں بھی کتاب وسنت کے خلاف موشگافیاں در آئیں، اشعریت اور ماتریدیت نے کچھ اصلاحات کیں لیکن مختلف امور میں ان فرقوں کی گمراہیوں سے سبکدوش نہ ہوسکیں۔

یہی فرقے دین میں جملہ بدعات وخرافات اور گمراہی کی نشو ونما کے ذمہ دار ہیں اور آج بھی ہر میدان میں گمراہوں کے لیے کمک وہیں سے ملتا ہے جس کا ادراک اور تعاقب علمائے سلف قرن اوّل سے لے کر آج تک کر رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ہر صدی میں عقائد کی وضاحت اور بدعات وخرافات کی تردید میں اپنی تحریروں کا معتد بہ ذخیرہ چھوڑا ہے۔ علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ہر صدی میں لکھی گئی کتابوں کی فہرست ایک رسالے کی صورت میں شائع کر دی ہے، جس سے عقائد کی ہر دور میں اہمیت اور اس کے بارے میں اسلاف کی مساعی جمیلہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ در اصل یہی ہمارا سرمایہ ہے، انبیاء کرام کی دعوت کا اصل مقصد یہی تھا اور قیامت تک رہے گا لہٰذا اس کی توضیح وتنسیق کی ضرورت وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے، اس کا ادراک کوئی سلفی ہی کر سکتا ہے۔

سلفِ صالحین نے ہمیشہ رب کائنات کی تعریف و تعارف میں، کتاب وسنت کے نصوص کو تشبیہ وتجسیم اور تاویل وتعطیل کے بغیر سمجھنے اور سمجھانے کو اولین فریضہ قرار دیا ہے۔ قرآن کریم نے اس پورے مسئلے کو {لیس کمثله شئ وهو السميع البصير} [الشوریٰ:۱۱] کے متفق علیہ اصول کے ذریعہ حل کر دیا ہے۔

اس پس منظر میں سلف صالحین اور قیامت تک آنے والے ان کے متبعین کی کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحتوں کو ''الٰہیات کے تراشیدہ لات و منات'' سے تعبیر کرنا ایک طرح رب کائنات کی شان میں گستاخی، سلف صالحین کے مساعی جمیلہ کو سبوتاژ کرنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش اور باطل افکار و نظریات کی حوصلہ افزائی ہے۔ الٰہیات کی یہ تعبیر غیر مناسب ہی نہیں بلکہ بدبختانہ ہے جو استعمالِ الفاظ کے سلسلے میں عدم توفیق پر دال ہے۔

''یہ الٰہیات کے تراشے ہوئے لات و منات'':

بسا اوقات انسان دوسروں کی تقلید میں کفریہ کلمات کے استعمال کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ ''ارمغان حجاز'' میں علامہ اقبالؒ کی مشہور نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' ہے، اس میں ابلیس اپنے مشیروں سے مخاطب ہو کر چند اعتقادی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات!
ابن مریم مر گیا یا زندہء جاوید ہے؟
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عین ذات؟
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات؟
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے تراشے ہوئے لات و منات؟

ابلیس کے خطاب میں وارد شدہ عقائد کی موشگافیوں کا سلف صالحین نے بھی کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیا ہے۔ فرقوں کے عقائد باطلہ کو بالائے طاق رکھ کر سلف کی توضیحات کو ہی ''الٰہیات کے تراشیدہ لات ومنات'' کے دائرے میں لے آنا ابلیس کی ترجمانی ہے سلفیت کی نہیں۔

اس کا شرعی حل یہ ہے کہ جس طرح بڑے طمطراق سے اس لقب کا استعمال کیا گیا ہے اسی طرح بے باکی سے توبہ بھی کرلی جائے۔ (ذلک خیر و أحسن تأویلا)

لات و منات کا استعمال شعراء بھی کفر اور کفریہ امور کے بارے میں اظہار کے لیے کرتے ہیں۔ شورش کاشمیری کا شعر ہے:

حرم کو بندۂ لات و منات کیا جانے
خدا کے گھر کو سکندر حیات کیا جانے

تعبیر کی غلطی کے اسباب:

ان جیسے مسائل میں غلط تعبیر کے تین اسباب ہوتے ہیں:

(۱) یا تو انسان کتاب وسنت کے نصوص میں غور وفکر اور تدبر کی نعمت سے محروم اور غفلت کا شکار ہوتا ہے۔

(۲) یا تو اپنے ماحول کی اثرپذیری یا کم علمی کے سبب غیر معمولی اہمیت کے حامل مسئلے کو بالکل معمولی سمجھتا ہے۔

(۳) یا تو وہ پھر اس پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔

میری نظر میں یقینا یہاں نصوص میں تدبر و تامل کی نعمت سے محرومی یا زیر بحث مسئلے پر عدم ایمان کی بات نہیں بلکہ غیر معمولی کو معمولی سمجھ لیا گیا ہے۔

الٰہیات کے تراشیدہ لات ومنات کا مفہوم:

''الٰہیات کے تراشیدہ لات ومنات'' کے پجاری کفار و مشرکین اور یہود و نصاری ہیں، قرآن حکیم نے ان کے اس عمل کو بیان کرکے اس کی خطرناکی اور ہولناکی کو جس پیرائے میں واضح کیا ہے اس سے دل دہل جاتا ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ وَقَالَتْ

النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ ذَلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ۔ اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾[التوبہ:۳۰-۳۱]

(ترجمہ: یہود کہتے ہیں: عزیر، اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں: مسیح، اللہ کا بیٹا ہے، یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انھیں غارت کرے وہ کدھر بہکے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی، حالانکہ انھیں صرف اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔) (جونا گڑھی)

﴿أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلآئِكَةِ إِنَاثاً إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلاً عَظِيماً﴾[بنی اسرائیل:۴۰]

(ترجمہ: کیا بیٹوں کے لیے تو اللہ نے تمہیں چھانٹ لیا اور خود اپنے لیے فرشتوں کو لڑکیاں بنالیا؟ بے شک تم بہت بڑا بول بول رہے ہو۔)

''الٰہیات کے لات و منات'' تراشنے والے کفار ومشرکین اور یہود ونصاری کے ان اقوال پر تبصرہ، ان کی خطرناکی اور ان کے بدبختانہ نتائج پر تنبیہ اور دل دہلانے والا بیان قرآن حکیم کی زبان میں:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً إِدّاً۔ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدّاً۔ أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَداً۔ وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَداً﴾ [مریم:۸۸-۹۲]

(ترجمہ: ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمن نے بھی اولاد اختیار کی ہے۔ یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ کہ وہ رحمن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے۔ شانِ رحمان کے لائق نہیں کہ اولاد رکھے۔)

منہج سلف پر اس کا انطباق:

توحید عبادت، توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات کی قرآن وسنت کی روشنی میں توضیح وتشریح اور تصفیۂ عقائد کے سلسلے میں سلف صالحین کے اس عظیم کارنامے کو ''الٰہیات کے تراشیدہ لات ومنات'' کا نام دینا ناقابل معافی جرم ہے۔ جس کی تلافی توبہ ہے۔ سب کچھ برداشت لیکن ذات الٰہی کے اوصاف وکمالات کے سلسلے میں ایسے کلمات کا استعمال ناقابل برداشت ہے، مزید برآں ایسے امور کو اپنی بے باکی اور حق گوئی کے دائرے میں لانا اور ''اپنے مشاہدات وتجربات کا حاصل'' قرار دینا غیر دانشمندانہ جسارت اور خود ستائی کا بدترین نمونہ ہے۔

کہا جا رہا ہے کہ ''صرف ایک تحریر سے میرے جغرافیہ کی پیمائش کر ڈالی گئی''، یاد آرہا ہے کہ ایسے ہی موقع کے لیے عربی مقولہ ہے ''سکت دھراً و نطق کفراً'' (ایک زمانہ تک خاموش رہا اور بولا تو کفریہ بات کہہ دی)

رہ گئے زیر بحث دیگر امور تو ان کے بارے میں بحث وتحقیق کا دروازہ بالکل کھلا رہنا چاہیے تاکہ مضطرب طبیعتوں اور بیٹھے ہوئے دلوں کو سہارا مل سکے اور اصلاح وخود احتسابی کا جذبہ پیدا ہو۔ (اللہ ہم سب کو حق کہنے سننے اور اس پر عمل کی توفیق سے نوازے) □□

عقائد

اہل سنت والجماعت کی وسطیت

شیخ مجیب الرحمن سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

شیخ مجیب الرحمن بن شفیق الرحمن سلفی کا تعلق ضلع بلرامپور، اتر پردیش سے ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی، اس کے بعد جامعہ سلفیہ، بنارس کی شاخ المعہد الاسلامی، اکرہرا میں ثانویہ (High-School) کی تعلیم مکمل کی۔ بعد ازاں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس سے عالمیت اور تعلیمی سال (17-2016) میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ فی الحال وہ جامعہ سلفیہ، بنارس کے مدرس اور جامعہ کی تعلیمی کمیٹی کے رکن حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے متعدد دینی وعلمی اور تحقیقی مضامین ماہنامہ "محدث" بنارس میں شائع ہو چکے ہیں۔

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

اسلام اللہ تعالیٰ کا وہ کامل، جامع اور متوازن دین ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال، توازن اور میانہ روی کو بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے امتِ محمدیہ کو "امتِ وسط" قرار دیا، کیوں کہ اس امت کو عقیدہ، عبادت، اخلاق، معاملات، سیاست، معیشت، دعوت اور معاشرت ہر اعتبار سے افراط وتفریط سے پاک اور عدل واعتدال پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اہلِ سنت والجماعت اسی امتِ وسط کے حقیقی نمائندہ ہیں، کیونکہ ان کا منہج براہِ راست قرآن وسنت اور فہمِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قائم ہے۔ انہوں نے نہ غلو اختیار کیا، جیسا کہ خوارج نے کیا، نہ دین میں بے راہ روی اور تساہل کو اپنایا، جیسا کہ مرجئہ اور دیگر اہلِ باطل نے کیا۔ بلکہ انہوں نے ہر مسئلہ میں عدل، انصاف اور اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔

آج امتِ مسلمہ مختلف فکری، اعتقادی اور عملی فتنوں سے دو چار ہے۔ ایک طرف انتہا پسندی، شدت پسندی اور تکفیر کا رجحان ہے، تو دوسری طرف دین میں بے جا نرمی، مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور شریعت میں تحریف کی کوششیں ہیں۔ ایسے حالات میں اہلِ سنت والجماعت کے منہجِ وسطیت کو سمجھنا اور اس کی اشاعت کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

اہل سنت والجماعت کا معنی ومفہوم:

سنت کا لغوی معنی: عربی زبان میں سنت کا مطلب طریقہ ہے، خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا، دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ مادہ (سنن) سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے طریقہ وراستہ (1) اسی معنی میں یہ حدیث ہے۔

''مَن سنَّ في الإسلامِ سنةً حسنةً، فعملَ بها

1-لسان العرب:13/225

بعدَهُ، كُتبَ لَهُ مثلُ أجرِ من عملَ بها، ولا ينقصُ من أجورِهِم شيءٌ، ومن سنَ في الإسلامِ سنةً سيئةً، فعملَ بها بعدَهُ، كُتبَ عليهِ مثلُ وزرِ من عملَ بها، ولا ينقصُ من أوزارِهِم شيءٌ''.(1)

جس شخص نے اسلام میں کسی اچھے طریقے کو ترویج دی اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا، جب کہ ان لوگوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا راستہ چلایا اسے اس کا بھی گناہ ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا بار بھی اس پر ہوگا جب کہ ان لوگوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقد تكرر في الحديث ذكر (السنة) وما تصرف منها والاصل فيها الطريقة والسيرة".(2)

حدیث میں ”سنت“ اور اس کے مشتقات کا ذکر بار بار ہوا ہے، جس کا اصل معنی طریقہ اور چال چلن ہے۔

اصطلاح میں سنت کا معنی محدثین، فقہاء، اور اہل اصول کے نزدیک ایک دوسرے کے مقابلے میں مختلف ہے، البتہ اسلامی عقائد کی اصطلاح میں سنت سے مراد: وہ ہدایت ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ علم واعتقاد اور قول وعمل کے ساتھ گامزن تھے اور یہی وہ سنت ہے جس کی اتباع واجب ہے، اور اس پر چلنے والے قابل تعریف اور اس کی مخالفت کرنے والے قابل مذمت ہیں؛ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں اہل سنت میں سے ہے یعنی صحیح، سیدھے راستے پر چلنے والا ہے۔(3)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”سنت وہ ہے جس کے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہونے پر شریعت کی دلیل ہو، خواہ اسے رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو یا آپ کے زمانے میں کیا گیا ہو، یا اس وقت اس پر عمل کرنے کا تقاضا نہ ہونے یا رکاوٹ پائے جانے وجہ سے نہ آپ ﷺ نے اس پر عمل کیا ہو اور نہ آپ ﷺ کے زمانہ میں عمل کیا گیا ہو،(4) اور اس اعتبار سے سنت کا معنی: ظاہر و باطن میں رسول اللہ ﷺ کے آثار اور سابقین اولین یعنی مہاجرین وانصار کے طریقے کی پیروی کا نام ہے، یعنی مہاجرین وانصار کے طریقے کی اتباع کرنا ہے۔(5)

امام ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ”اور سنت چلا ہوا راستہ ہے، لہذا یہ رسول اللہ اور آپ کے خلفاء راشدین کے عقائد واعمال اور اقوال کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کو شامل ہے اور اسی کا نام کامل سنت ہے۔(6)

جماعت کا لغوی معنی: یہ (جمع) کے مادہ سے ماخوذ

2-صحیح مسلم:(4959) — 2-النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر:2/409

3-مباحث فی عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ، از ڈاکٹر ناصر بن عبدالکریم العقل:13 — 4-مجموع الفتاوی:21/317

5-ایضاً: 3/157 — 6-جامع العلوم والحکم:1/120

ہے جس کا معنی یکجا ہونا، فراہم کرنا، اتفاق کرنا ہے۔ جو تفرق کی ضد ہے۔ علامہ ابن فارس رحمہ اللہ نے فرمایا: جیم اور میم اور عین ایک اصل ہیں، جو کسی چیز کے آپس میں مل جانے پر دلالت کرتی ہے، کہا جاتا ہے: (جَمَعْتُ الشَّيْءَ جَمْعًا) میں نے اس چیز کو جمع کرلیا۔(1)

عقیدہ کے باب میں جماعت سے مراد: اس امت کے اسلاف یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام ہیں، اور وہ لوگ جو ان کی قیامت تک پیروی کریں اور وہ لوگ جو قرآن وحدیث کے واضح حق پر قائم ہوں(2)۔

اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جماعت وہ ہے جو حق کی تائید کرے خواہ وہ تنہا ہی ہو، نعیم بن حماد رحمہ اللہ نے کہا: اگر جماعت میں فساد پیدا ہو جائے تو فساد سے پہلے جماعت جس پر قائم تھی اس پر ڈٹے رہنا چاہیے خواہ تم اکیلے ہی ہو، کیوں کہ اس وقت تم ہی جماعت ہو۔(3)

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں اہل سنت والجماعت سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے طریقے کو مضبوطی سے اختیار کیے ہوئے ہوں، اور جنہوں نے بدعات اور نئے اعتقادی نظریات کے ظہور سے پہلے اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے واضح اور صریح حق پر اجتماع و اتفاق کیا ہو۔(4)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”رہے اہلِ حدیث، اہلِ سنت والجماعت، تو ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد اور عملی احکام دونوں میں اپنے نبی ﷺ سے ثابت شدہ کتاب وسنت کی پیروی کرتے ہیں، اور اسی منہج پر قائم رہتے ہیں جس پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔“ (5)

اور وسطیت مادہ (وسط) سے مشتق ہے، جس کا معنی خیر، عدل، انصاف، اور افراط وتفریط کے مقابلے میں درمیانی راستہ وطریقہ ہے۔

اہل سنت والجماعت کی وسطیت:

اعتدال، توازن اور میانہ روی امت مسلمہ کا امتیازی وصف ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: {وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا} (البقرۃ:143)

اور اسی طرح (اے مسلمانو!) ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا ہے۔

امت مسلمہ کی یہ وسطیت سابقہ تمام امتوں کے مقابلہ میں ہے، اسی طرح اہل سنت والجماعت دیگر اسلامی فرقوں کے مقابلے میں متعدل ومتوسط منہج پر ہیں، جو اسی امت مسلمہ کی وسطیت و اعتدال کا تسلسل اور امتداد ہے۔ جس کے اولین مخاطب صحابہ کرام تھے، اور جب صحابہ کرام کے آخری دور میں مختلف اسباب کی بنا پر امت میں اختلاف اور تفرقہ پیدا

6- معجم مقاییس اللغۃ: 1/479 | 1- شرح العقیدۃ الواسطیۃ: 61
2- إغاثۃ اللھفان: 1/70 | 3- شرح العقیدۃ الواسطیۃ: 61
4- منہاج السنۃ النبویۃ: 3/463

ہونا شروع ہوا تو امت کے بہت سے افراد راہِ حق واعتدال سے ہٹ گئے اور فرقہ کی شکل اختیار کر کوئی غلو میں مبتلا ہوا اور کوئی کوتاہی کا شکار؛ کوئی افراط کی انتہا پر پہنچا تو کوئی تفریط میں ڈوب گیا۔ چنانچہ ہر فرقہ اپنے غلو، جفا، افراط اور تفریط کے بقدر اعتدال کے راستے سے دور ہوتا چلا گیا، البتہ اہل سنت والجماعت اختلاف وانتشار کے اس ظلمت کدہ میں حق پر قائم رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے منہج وطریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رکھا، جس کی پیشین گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں کی تھی: ''لَا يَزَالُ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ''.(1)

''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ (حق پر) غالب اور نمایاں رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے، اور وہ اسی حال میں حق پر قائم اور غالب ہوں گے۔''

اہل سنت والجماعت کی یہ وسطیت دین کے تمام ابواب عقائد، عبادات اور اخلاق، سلوک کو شامل ہے۔ ذیل میں بہ اختصار اسے پیش کیا جا رہا ہے:

1- اللہ سبحانہ وتعالیٰ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں اعتدال پسندی:

اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کے ان تمام اسماء وصفات کو جو قرآن مجید اور صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں، بغیر کسی تحریف، تعطیل، تکییف اور تمثیل کے انہیں اللہ رب العالمین کے شایانِ شان ثابت مانتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں کوئی تفریق نہیں کرتے، بلکہ تمام اسماء وصفات کے بارے میں ان کا موقف ایک ہی ہے۔ وہ نہ ان میں سے کسی کا انکار کرتے ہیں، نہ ان کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو ان کے ظاہری اور حقیقی معنیٰ کو بدل دے، اور نہ ہی ان کی کیفیت بیان کرتے اور نا ہی انہیں مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہلِ سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن وسنت میں وارد ہونے والی تمام صفات کا اقرار کیا جائے، ان پر ایمان رکھا جائے اور انہیں ان کے حقیقی معنیٰ پر محمول کیا جائے، نہ کہ مجازی معنیٰ پر۔ البتہ وہ ان صفات میں سے کسی کی کیفیت بیان نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی محدود اور متعین کیفیت مقرر کرتے ہیں۔'' (2)

اسی حقیقت کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نہایت جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امت کے سلف صالحین اور ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انہی صفات سے متصف کیا جائے جن سے اس نے خود اپنی ذات کو متصف کیا ہے یا جن سے اس کے رسول ﷺ نے اسے متصف فرمایا ہے، بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے، اور بغیر کسی تکییف اور تمثیل کے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان تمام صفات کو ثابت مانتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے

1- صحیح البخاری: (3640) 2- التمہید: 7/145

لیے ثابت فرمایا ہے، اور اس سے مخلوق کے ساتھ ہر قسم کی مشابہت کی نفی کرتے ہیں۔ وہ اس کے لیے تمام صفاتِ کمال کو ثابت کرتے ہیں اور ہر قسم کی مثال اور ہمسری کی نفی کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر نقص، تعطیل، تشبیہ اور تمثیل سے پاک قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کا اصول: اثبات بلا تشبیہ اور تنزیہ بلا تعطیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: {لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ} "اس جیسی کوئی چیز نہیں۔" مشبہہ (اللہ کو مخلوق کے مشابہ قرار دینے والوں) پر رد ہے، اور اس کا یہ فرمان: {وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} "اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔"

معطلہ (اللہ کی صفات کا انکار کرنے والوں) پر رد ہے۔" (1)

پس اہلِ سنت والجماعت کا مسلک تشبیہ و تمثیل اور تعطیل کے درمیان اعتدال پر قائم ہے۔ جب کہ اس کے برخلاف دیگر فرقے غلو اور افراط یا تقصیر اور تفریط کی راہ پر ہیں۔

(الف) افراط اور انتہاء پسندی کا راستہ: یہ اہل تمثیل کہلاتے ہیں، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کو اس کی مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں، ان میں سرفہرست بعض روافض ہیں۔

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں: "ہشام بن حکم رافضی نے اپنے معبود کو انسان کے مشابہ قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کے اپنے قد کے مطابق سات بالشت کا ہے، نیز وہ ایک جسم ہے جو لمبا اور چوڑا ہے۔" (2)

اسی طرح ہشام بن سالم جوالیقی رافضی کا عقیدہ تھا کہ اس کا معبود انسان کی صورت پر ہے، اور اس کے جسم کا اوپری حصہ کھوکھلا جبکہ نچلا حصہ ٹھوس ہے۔ (3)

(ب) تقصیر و بے اعتنائی کا راستہ: یہ اہل تعطیل کہلاتے ہیں، یہ کئی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں:

پہلا گروہ: تمام اسماء وصفات کا انکار کرنے والے: یہ جہمیہ ہیں، جہم بن صفوان (ت 128ھ) کی طرف نسبت کی بناء پر انہیں جہمیہ کہا گیا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جہم بن صفوان کے بارے میں فرماتے ہیں: "جہم کا یہ دعویٰ تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے متصف کرے گا جن سے اللہ نے خود اپنی کتاب میں اپنی ذات کو متصف کیا ہے، یا جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیان فرمایا ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا اور وہ مشبہہ (اللہ کو مخلوق کے مشابہ قرار دینے والوں) میں سے ہو جائے گا۔" (4)

اسی طرح امام شہرستانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "جہم نے صفاتِ ازلیہ کی نفی کے معاملے میں معتزلہ کی موافقت کی، لیکن اس پر مزید چند باتوں کا اضافہ بھی کیا۔ ان میں سے

1-منہاج السنۃ النبویۃ:2/111
2-الملل والنحل:1/84
3-الفرق بین الفرق:227
4-الرد علی الجہمیۃ والزنادقۃ:104-105

ایک یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت سے متصف کرنا جائز نہیں ہے جس سے اس کی مخلوق کو متصف کیا جاتا ہو، کیونکہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے۔اسی بنا پر اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے 'حی' اور 'علیم' جیسے اوصاف کا انکار کیا، البتہ 'قادر'، 'فاعل' اور 'خالق' مانتا تھا، کیوں کہ اس کے نزدیک مخلوق میں کوئی بھی ان صفات سے اس معنی میں متصف نہیں۔" (1)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اسی وجہ سے جہم اور اس جیسے لوگ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ "کوئی شے" نہیں ہے۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جہم کا کہنا تھا: اللہ تعالیٰ کو ایسے کسی نام سے نہیں پکارا جا سکتا جس سے مخلوق کو بھی پکارا جاتا ہو۔اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے صرف 'خالق' اور 'قادر' جیسے نام ثابت کرتا تھا، کیوں کہ وہ جبری عقیدہ رکھتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ بندے کے پاس کوئی قدرت و اختیار نہیں۔" (2)

دوسرا گروہ: اسماء کو ثابت کرنے والے اور صفات کی نفی کرنے والے: یہ معتزلہ ہیں، انہوں نے نفی صفات، خلق قرآن اور رؤیت باری تعالیٰ کی نفی کا عقیدہ جہمیہ سے اخذ کیا ہے۔امام شہرستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "معتزلہ کے تمام فرقوں میں جس عقیدے پر اتفاق پایا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے، اور قدیم ہونا اس کی ذات کی خاص ترین صفت ہے۔اسی بنا پر انہوں نے ازلی صفات کا سرے سے انکار کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ عالم ہے، اپنی ذات کے ساتھ زندہ ہے، نہ کہ کسی ایسے علم، قدرت یا حیات کے ذریعے جو قدیم صفات ہوں اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوں؛ کیوں کہ اگر یہ صفات بھی قدامت میں اس کی شریک ہوتیں، اور قدامت اس کی ذات کا خاص وصف ہے، تو پھر وہ الوہیت میں بھی اس کی شریک قرار پاتیں۔

اسی طرح معتزلہ کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق اور حادث ہے۔نیز ان کا یہ بھی اتفاق ہے کہ ارادہ، سمع اور بصر اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم مستقل صفات نہیں ہیں۔اور وہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ آخرت میں اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکیں گے، چنانچہ وہ رؤیتِ باری تعالیٰ کا بھی انکار کرتے ہیں۔" (3)

اسی طرح سکسکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "معتزلہ اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ عزوجل سے صفات کی نفی کی جائے، جیسے علم، قدرت، سمع اور بصر وغیرہ۔اللہ تعالیٰ ان کے اِن اقوال سے بہت بلند و برتر ہے۔" (4)

تیسرا گروہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور بعض صفات کو تو ثابت مانتے ہیں، لیکن بعض دوسری صفات کا انکار کرتے ہیں یا ان کی تاویل کرتے

1-الملل والنحل:1/186
2-منہاج السنۃ النبویہ:2/526
3-الملل والنحل:1/44-45
4-البرہان فی معرفۃ عقائد أہل الأدیان:50

ہیں۔ یہ اشاعرہ ہیں۔

اشاعرہ اللہ سبحانہ وتعالی کی ان صفات کو ثابت ماننے پر متفق ہیں جنہیں وہ صفاتِ معانی کہتے ہیں، اور وہ یہ ہیں: قدرت، ارادہ، علم، حیات، سمع، بصر اور کلام۔

علامہ بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ہمارے تمام اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت، علم، حیات، ارادہ، سمع، بصر اور کلام اس کی ازلی صفات ہیں۔“ (1)

البتہ اشاعرہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ بعض صفات کی تاویل کرنا یا ان کے ظاہری مفہوم کی نفی کرنا ضروری ہے، مثلاً محبت، رضا اور دیگر اختیاری صفات جو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے متعلق ہیں۔

امام باقلانی ان صفات کے بارے میں اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت، محبت، رضا، رحمت، کراہت، غضب، ناراضگی، دوستی اور دشمنی، یہ سب کے سب اس کے ارادہ ہی کی طرف راجع ہیں۔“ (2)

ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مرید، محبت کرنے والا، ناراض ہونے والا، راضی ہونے والا، دوست رکھنے والا، دشمن رکھنے والا، رحیم اور رحمان ہے، اور یہ تمام صفات اس کے بندوں کے بارے میں اس کے ارادے اور مشیت ہی کی طرف لوٹتی ہیں، نہ کہ ایسے غضب کی طرف جو اس میں کوئی تبدیلی پیدا کرے، یا ایسی رضا کی طرف جو اس کی طبیعت کو سکون پہنچائے، یا ایسے غصے، جوش، کینہ یا حقد کی طرف جو اس پر طاری ہو۔“ (3)

درحقیقت ان کے اس قول کا حاصل یہ ہے کہ وہ ان صفات کی حقیقت کا اثبات نہیں کرتے، بلکہ ان کی تاویل ارادہ کے معنی میں کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کے درمیان بعض صفاتِ ذاتیہ، جنہیں صفاتِ خبریہ کہا جاتا ہے، کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ صفاتِ خبریہ سے مراد وہ صفات ہیں جو صرف قرآن و سنت کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں، عقل ان کے اثبات میں مستقل طور پر رہنمائی نہیں کرتی، اور اگر شرعی نصوص میں ان کا ذکر نہ ہوتا تو ان کا علم بھی حاصل نہ ہوتا۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ، دو آنکھیں اور چہرہ جیسی صفات شامل ہیں۔ (4)

ان کے متقدمین میں سے بعض، جیسے امام باقلانی، ان صفات کا اثبات کرتے ہیں، جب کہ ان کی اکثریت، خصوصاً متأخرین، ان کی تاویل کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اشاعرہ بعض صفات کو ثابت مانتے ہیں اور بعض دیگر صفات کی نفی یا تاویل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ایک قسم کی تعطیل ہے، اگرچہ یہ جہمیہ اور معتزلہ کی تعطیل سے ہلکی نوعیت کی ہے۔

□□□

1- اصول الدین:90
2- الانصاف:26
3- الانصاف:24
4- وسطیۃ اہل السنۃ بین الفرق:316

تحقیقات

سورہ (یس) کی فضیلت میں وارد احادیث کی تخریج وتحقیق

ڈاکٹر امیر الاسلام بن بحر الحق المدنی
استاد جامعہ سلفیہ بنارس

ڈاکٹر امیر الاسلام بن بحر الحق مدنی حفظہ اللہ کا تعلق صوبۂ جھارکھنڈ کے ضلع صاحب گنج سے ہے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کا ادارہ" کلیۃ ابی بکر صدیق، شری کنڈ، صاحب گنج" میں مکمل کی، اس کے بعد جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس سے ثانویہ وعالمیت کی اسناد حاصل کیں۔ بعد ازاں آپ نے عالم اسلام کے معروف علمی ومرکزی درسگاہ جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ میں شعبۂ عربی زبان سے دبلوم فی اللغۃ، پھر کلیۃ الحدیث سے بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی اعلیٰ اسناد حاصل کیں، اس کے بعد آپ جامعہ سلفیہ، بنارس میں بحیثیتِ مدرس ورکن مجلس تعلیمی ورکن دار الافتاء خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اردو وعربی دونوں زبانوں میں آپ کے دینی واصلاحی اور تحقیقی مضامین ومقالات ملک وبیرون ملک کے رسائل ومجلات کی زینت بنتے رہے ہیں۔

قرآن مجید وہ مقدس کتاب ہے جسے اللہ رب العالمین نے انسانیت کی رُشد وہدایت کے لیے پیغمبرِ اسلام محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ ہدایت وحکمت سے لبریز اور خیر وبرکت سے مالامال یہ کتابِ الٰہی بنی نوع انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے اور جس طرح محمد ﷺ انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے افضل اور آخری نبی ہیں اسی طرح یہ کتاب بھی تمام آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظمت ورفعت کا حامل اور آخری کتاب ہے، اس کے بعد اب کوئی کتاب نہیں ہوگی، بلکہ رہتی دنیا تک یہی کتاب تمام انسانوں کے لیے کامل ضابطۂ حیات، ابدی دستورِ عمل اور سرچشمۂ ہدایت رہے گی۔

قرآن کریم کی فضیلت، عظمت اور مقام ومرتبے کو اللہ رب العزت نے خود قرآن پاک کی متعدد آیات کے ذریعے سے بیان کر دیا ہے اور بندوں کو اس کی تلاوت کرنے، سننے، اس میں غور فکر کرنے اور اس کے فرامین کو زندگی میں حرزِ جاں بنا کر دنیا وآخرت میں سرخرو ہو جانے کی ترغیب بھی دلایا ہے۔

اسی طرح اللہ کے محبوب نبی محمد عربی ﷺ نے بھی اپنی متعدد احادیث میں اس کے فضائل وخصائص کو واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔

فضائل قرآن کی یہ روایتیں دو قسموں کی ہیں:

پہلی: وہ روایات جو کسی سورت یا آیت کی تخصیص کیے بغیر مطلق قرآن کریم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور دوسری: جو کسی مخصوص سورت یا آیت کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں قسموں کی اچھی تعداد میں صحیح اور ثابت شدہ روایات موجود ہیں، تاہم ذخیرۂ احادیث میں بہت سی ایسی بھی روایات ملتی ہیں جو اسنادی حیثیت سے ثابت نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو ضعیف اور بعض موضوع (جعلی

روایت) تک کے درجے میں آتی ہیں، جنہیں نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا قطعاً درست و جائز نہیں۔

محترم قارئین! ذخیرۂ احادیث میں موضوع روایات کا پایا جانا یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں ہی وضع حدیث (یعنی اپنی طرف سے احادیث گھڑ کر نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرنے) کا فتنہ وجود میں آچکا تھا، اور آج بھی اس کا یہ سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔

حدیث گھڑنے والے متعدد قسم کے لوگ تھے، اور اس کے اسباب اور عوامل بھی مختلف ہوتے تھے۔

البتہ ان وضّاعین میں سرفہرست: ملحدین و زنادقہ کا گروہ تھا جو اسلام کو کسی صورت میں پھلتا پھولتا دیکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے اور چوں کہ سیدھے طور پر وہ اہلِ اسلام سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے تھے اس لیے انہوں نے یہ منافقانہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنی طرف سے بہت سی احادیث گھڑلیں اور صحیح احادیث کے ساتھ خلط ملط کرنے کی کوششیں کیں، اور پھر خود ہی اس کا اعلان کرتے رہے کہ ہم نے ان احادیث کے اندر ہزاروں کے حساب سے اپنی گھڑی ہوئی حدیثیں ملادی ہیں۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ احادیث رسول ﷺ کا یہ عظیم ذخیرہ جس سے دین اسلام کی تشکیل و تکمیل ہوتی ہے ناقابل اعتبار قرار دیا جائے اور اس طرح مسلمانوں کا احادیث پر سے اعتماد ختم ہو جائے اور اسلام کے عقائد واحکام کو بے وقعت بنادیں اور مسلمانوں کو سنت سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

زنادقہ کے علاوہ اور جن لوگوں نے بے شمار جھوٹی حدیثیں گھڑیں ان میں ایک گروہ دین دار واعظوں اور زاہدوں کا بھی تھا وہ خیال کرتے تھے کہ لوگوں میں دین داری اور نیک عملی کا شوق پیدا کرنے کے لیے جھوٹی حدیثیں گھڑ کر سنانا کوئی برائی کی بات نہیں۔ حدیث کے واضعین میں سب سے زیادہ خطرناک گروہ ایسے ہی لوگوں کا تھا اور فضائل قرآن کے باب میں اکثر انہیں واعظین نے ہی حدیثیں گھڑیں۔

عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے میسرۃ بن عبد ربّہ سے (جو خصوصی طور پر قرآن کی فضیلت میں حدیثیں گھڑ کر لوگوں سناتا تھا) پوچھا: ”من أينَ جِئْتَ بهذه الأحاديث: مَنْ قرأَ كَذا فله كذا، قال: وضَعْتُه أُرَغِّبُ النّاسَ فيه“. (۱)

یعنی ”تمہیں یہ ساری احادیث کہاں سے مل گئیں کہ: جو یہ (سورہ یا آیت) پڑھے اس کے لیے یہ اور یہ ثواب ہے؟ تو انہوں نے کہا: میں نے لوگوں کو قرآن کی طرف رغبت دلانے کی خاطر خود سے یہ حدیثیں گھڑی ہیں“۔

حدیث گھڑنے میں ایک مشہور شخص نوح بن ابی مریم مروزی تھا اس سے جب یہ پوچھا گیا: ”مِنْ أَيْن لَكَ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي فَضَائِلِ الْقُرْآن سُورَةً سُورَةً، وَلَيْسَ عِنْد أَصْحَاب عِكْرِمَة شَيْءٌ مِنْهُ؟ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْت النَّاس أَعرضُوا عَن الْقُرْآن وَاشْتَغَلُوا بِفقه أبي حنيفَة وَمَغَازِي ابْن إِسْحَاق؛ فَوضعت هَذَا الحَدِيث حسبَةً“. (۲) یعنی: ”تمہیں کہاں سے ”عن عکرمہ

(۱) الموضوعات لابن الجوزی (۱/۲۴۱)، الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (ص/۱۵)۔

(۲) الموضوعات لابن الجوزی (۱/۴۰)، تذکرۃ الموضوعات للفتنی (ص/۱۵)۔

عن ابن عباس'' کے حوالے سے قرآن کریم کی ایک ایک سورت کی فضیلت میں احادیث ملیں جب کہ عکرمہ کے دیگر شاگردوں کے پاس یہ حدیثیں نہیں ہیں؟ تو نوح مروزی نے جواب دیا: ''جب میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے منحرف ہو گئے ہیں، اور ابوحنیفہ اور مغازی ابن اسحاق کی فقہ میں مصروف ہو گئے ہیں، تو میں نے اللہ تعالی سے تقرب حاصل کرنے کی خاطر قرآن کی فضیلت میں یہ احادیث گھڑلیں،،۔

مذکورہ دونوں قسموں کے علاوہ اور بھی لوگوں کا وضع حدیث کے پیچھے ہاتھ رہا ہے جیسے روافض کا آل بیت کی فضیلت میں احادیث گھڑنا، فرقہ پرست اور متعصبین مذاہب کا اپنے افکار وآراء کی حمایت اور مخالفین کی مذمت میں احادیث وضع کرنا، دنیاوی جاہ ومال کے خواہاں لوگوں کا حُکّامِ وقت کی رضا جوئی اور ان سے قربت حاصل کرنے کی خاطر احادیث وضع کرنا وغیرہ (۱)۔

غرض کہ مختلف جماعتوں اور گروہوں نے اس مذموم فعل کے ارتکاب کی بھرپور کوشش کی، لیکن کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا؛ کیوں کہ اسلام اللہ رب العالمین کا برحق دین ہے او اس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ اللہ رب العالمین کو ہرگز یہ منظور نہ تھا کہ دین اسلام کی عظمت، استحکام اور پاکیزگی کو کسی بھی قسم کی گزند پہنچے، چنانچہ اپنے دین مبین اور سنن سید المرسلین ﷺ کی حفاظت اور بقا کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے جلیل القدر رجال پیدا فرمائے جنہوں نے اپنی زندگیاں علمِ حدیث کی خدمت اور حفاظت کے لیے وقف کر دیں۔ انہوں نے صحیح، ضعیف اور موضوع احادیث میں امتیاز قائم کرنے کے لیے مستقل علوم وفنون مدون کیے اور ایسے محکم اصول وقواعد مرتب فرمائے جن کی روشنی میں ایک باحث بآسانی صحیح، ضعیف اور موضوع احادیث کے درمیان فرق کرسکتا ہے۔

لہٰذا آج علمائے کرام کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ جب کسی ایسی کتاب میں کوئی حدیث دیکھیں جس کے مؤلف نے احادیث کی صحت کا التزام نہ کیا ہو، تو اسے عوام کے سامنے بیان کرنے سے پہلے اصولِ حدیث اور فن جرح وتعدیل کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھیں اور اس کی تحقیق کرلیں، تاکہ صحیح، ضعیف اور موضوع روایات میں امتیاز ہوسکے۔ اس لیے کہ اصل دین احادیثِ صحیحہ ہی سے ثابت ہوتا ہے، اور ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی انہی احادیث کی روشنی میں کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہوں، نیز اپنے عقائد کی بنیاد بھی انہی پر رکھتے ہیں، نہ کہ ضعیف یا موضوع روایات پر۔ بلکہ جو حدیث نبی کریم ﷺ سے ثابت نہ ہو، اسے آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا نہایت سنگین جرم ہے۔ اس کے مضر اثرات مسلم معاشرے میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں، جہاں بہت سے لوگ ایسے اعمال اختیار کرلیتے ہیں جو سنتِ نبوی کے خلاف ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات وہ غلط عقائد کا بھی شکار ہوجاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

محترم قارئین! اس طویل تمہید کے بعد ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ سورہ (یس) کی فضیلت میں بھی کتبِ تفسیر اور دیگر مصادر میں متعدد روایات نقل کی جاتی ہیں۔ لیکن سوال یہ

(۱) وضع حدیث کے اسباب وعوامل سے واقفیت کے لیے دیکھیں: الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (ص: ۱۲)۔

ہے کہ کیا یہ روایات صحیح اور ثابت ہیں، جن پر عمل کر کے ہم رب العالمین کی خوشنودی اور اجرِ جزیل کے مستحق بن سکتے ہیں؟ یا پھر یہ روایات ثابت ہی نہیں، اور ہم ان پر عمل کر کے اپنی محنت کو غلط سمت میں صرف کر رہے ہیں؟

زیرِ نظر مقالے میں اس سورت کی فضیلت سے متعلق وارد تمام روایات کو جمع کر کے ان کی تخریج اور اصولِ حدیث کی روشنی میں ہر روایت کا درجہ بیان کر دیا گیا ہے، تاکہ قارئین ان کا مطالعہ کر کے صحیح رخ اور درست رہنمائی حاصل کر سکیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

حدیث نمبر ۱–عن مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، قال: قال رسول -صلى الله عليه وسلم-: ''اقرؤوا "يس" على موتاكم''.

ترجمہ ''معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنے قریب المرگ لوگوں پر سورہ یس کی تلاوت کرو"۔

تخریج وتحقیق:

اس حدیث کو ابوداود (۱)، ابن ماجہ (۲)، ابوداود طیالسی (۳)، ابن ابی شیبہ (۴)، امام احمد (۵)، نسائی (۶)، ابن حبان (۷)، طبرانی (۸)، حاکم (۹)، لالکائی (۱۰)، بیہقی (۱۱)، بغوی (۱۲) اور دیگر محدثین نے: بطریق سلیمان بن طرخان تیمی، عن أبی عثمان، عن أبیہ- یا بدون "عن أبیہ"-، عن معقل بن یسار مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اکثر محدثین کے یہاں حدیث کے الفاظ اسی طرح مختصراً مذکور ہیں جو اوپر بیان کیے گیے ہیں، جب کہ امام احمد، نسائی اور طبرانی کے بعض طرق میں (۱۳) اس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں: ''..وَيس قَلْبُ الْقُرْآنِ، لَا يَقْرَؤُهَا رَجُلٌ يُرِيدُ اللهَ والدَّارَ الْآخِرَةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ، وَاقْرَؤوهَا عَلَى مَوْتَاكُمْ''. یعنی: سورہ یس قرآن کا دل ہے جو شخص اسے اللہ تعالی کی رضا اور آخرت کے واسطے پڑھتا

---

(۱) سنن ابی داود: کتاب الجنائز، باب القراءۃ عند المیت (۵/ ۳۹)(۳۱۲۱)۔
(۲) سنن ابن ماجہ: کتاب الجنائز، باب ماجاء فیما یقال عند المریض اذا حضر (۲/ ۴۳۹)(۱۴۴۸)۔
(۳) مسند الطیالسی (۲/ ۲۴۴)(۹۷۳)۔
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۴۵)(۱۰۸۵۳)۔
(۵) مسند احمد (۳۳/ ۴۱۷)(۲۰۳۰۱)۔
(۶) السنن الکبری (۹/ ۳۹۴)(۱۰۸۴۶) وعمل الیوم واللیلہ (ص: ۵۸۱)(۱۰۷۴)۔
(۷) صحیح ابن حبان (۷/ ۲۶۹)(۳۰۰۲)۔
(۸) المعجم الکبیر (۲۰/ ۲۱۹)(۵۱۰)۔
(۹) المستدرک علی الصحیحین (۱/ ۷۵۳)(۲۰۷۴)۔
(۱۰) شرح اصول اعتقاد اہل السنہ والجماعۃ (۶/ ۱۲۲۶)(۲۱۷۳)۔
(۱۱) السنن الصغیر (۲/ ۷)(۱۰۱۴) والدعوات الکبیر (۲/ ۲۷۲)(۶۲۰) الشعب (۱۱/ ۴۳۷)(۸۷۹۶)۔
(۱۲) شرح السنہ (۵/ ۲۹۵)(۱۴۶۴)۔
(۱۳) مسند احمد (۳۳/ ۴۱۷)(۲۰۳۰۰) السنن الکبری (۹/ ۳۹۴)(۱۰۸۴۶) المعجم الکبیر (۲۰/ ۲۲۰)(۵۱۱)۔

ہے اسے بخش دیا جاتا ہے لہذا تم اسے اپنے قریب الموت لوگوں پر پڑھا کرو)۔

اور بیہقی کے یہاں ''شعب الایمان'' میں ہے: (من قرأ يس ابتغاء وجه الله عز وجل غُفِرَ له ما تقدَّمَ من ذنبه فاقرؤوها عند موتاكم) ''جو اللہ تعالی کی خوشنودی کے خاطر سورہ یس پڑھتا ہے اس کے سارے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، لہذا تم اسے اپنے قریب الموت لوگوں پر پڑھا کرو''۔

اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لیکن یہ ان دونوں کا تساہل ہے کیوں کہ اس کی سند میں تین تین علتیں ہیں:

پہلی علت: اضطراب: راوی حدیث سلیمان تیمی اس حدیث کو بہتر طریقے سے ضبط نہیں کر پایا انہوں نے کبھی تو (عن أبي عثمان عن معقل بن یسار) کہا اور کبھی (عن ابی عثمان عن أبیہ عن معقل بن یسار) کہا اور کبھی کچھ الگ کہا(۱)۔

دوسری علت: ابوعثمان مجہول راوی ہے سلیمان تیمی کے علاوہ کسی نے اس سے روایت نہیں کیا ہے اور نہ ہی کسی نے اس کی توثیق کی ہے۔ یہ ابوعثمان عبد الرحمن بن مل النہدی کے علاوہ کوئی دوسرا ہے۔

تیسری علت: ابوعثمان کے والد کی بھی کسی نے توثیق نہیں کی ہے وہ بھی مجہول ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (أبو عثمان: يقال اسمه سعد، عن أبيه عن معقل بن يسار، بحديث: ''اقرؤوا يس على موتاكم'' لا يعرف أبوه ولا هو، ولا روى عنه سوى سليمان التيمى)(۲) یعنی ''ابو عثمان کا نام سعد بتلایا جاتا ہے انہوں نے اپنے والد سے بطریق معقل بن یسار ''اقرؤوا يس على موتاكم'' والی حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس کے باپ اور وہ خود دونوں مجہول ہیں ان سے سلیمان تیمی کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کیا ہے''۔

لہذا مذکورہ علتوں کی بنا پر یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (هذا حديث ضعيف الإسناد، مجهول المتن)(۳) یعنی ''یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے اور اس کا متن بھی غیر معروف ہے''۔

دارقطنی کے علاوہ اور بھی دیگر ائمہ و محدثین نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے مثلاً: ابن القطان (متوفی ۶۲۸ھ) نے اپنی کتاب ''بیان الوہم والایہام(۴)'' میں، امام نووی نے ''الاذکار''(۵) میں، حافظ ذہبی نے ''میزان الاعتدال''(۶) میں اور ابن حجر نے ''التلخیص الحبیر''(۷) میں اسے ضعیف کہا ہے۔

نیز معاصرین میں علامہ ناصر الدین البانی(۸) اور شیخ ابن باز(۹) نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (جاری)□

(۱) دیکھیں اس کی تفصیل: ڈاکٹر ماہر یاسین فحل کی کتاب ''الجامع فی العلل والفوائد'' (۱/۳۹۱)۔
(۲) میزان الاعتدال (۴/۵۵۰)(۱۰۴۰۹)۔
(۳) دیکھیں: ابن حجر کی کتاب ''التلخیص الحبیر'' (۲/۲۱۳)۔
(۴) دیکھیں: (۵/۷۰۹)۔
(۵) الاذکار للنووی (ص: ۱۴۴)۔
(۶) دیکھیں: (۴/۵۵۰)(۱۰۴۰۹)۔
(۷) التلخیص الحبیر (۲/۲۱۳)۔
(۸) الارواء (۳/۱۵۰)(۶۸۸) السلسلۃ الضعیفۃ (۱۴/۷۸۸)۔
(۹) دیکھیں: مجموع الفتاوی (۱۳/۹۳)۔

اسلامیات

فہم کتاب وسنت کے لیے عربی زبان کی اہمیت وضرورت

شیخ محمد فاروق سلفی
استاد جامعہ سلفیہ، بنارس

مولانا محمد فاروق بن محمد ثناء اللہ سلفی حفظہ اللہ کا تعلق ڈومریا، ضلع گڈا، جھارکھنڈ سے ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی، پھر جامعہ سلفیہ کی شاخ مدرسہ دار الہدیٰ جلالی پورہ بنارس میں ثانویہ (High-School) کی تعلیم مکمل کی اور جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس سے عالمیت اور کلیۃ الحدیث (سندِ فضیلت) کی تعلیم تعلیمی سال (۲۰۲۳۔ ۲۰۲۴) میں مکمل کی۔ فراغت کے بعد سے آپ جامعہ سلفیہ بنارس میں مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

بلاشبہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار اور ان گنت نعمتوں میں سے ایک عظیم اور امتیازی نعمت قوتِ بیان ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنے قلبی احساسات وجذبات، اور دلی کیفیات ورجحانات کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنے افکار ونظریات اور مقاصد کو دوسروں تک منتقل کرتا ہے، علم وحکمت کو محفوظ کرتا ہے اور باہمی گفت وشنید کے ذریعے اجتماعی اور سماجی زندگی کو استوار بناتا ہے۔ اور یہی وہ امتیازی وصف ہے جو اسے دیگر مخلوقات پر نمایاں اور فائق کرتا ہے۔ اللہ رب العالمین نے اس عظیم نعمت کا نہایت بلیغ انداز میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: "اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ" (الرحمن: ۱۔ ۴) رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے بولنا سکھایا۔

چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ آیت کریمہ "عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "البیان" سے مراد کلام کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے، اور یہی وہ وصف ہے جس کی بنا پر انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہوا۔ (تفسیر القرطبی: ۲۰ / ۱۱۳) انسانی تاریخ اس حقیقت کا گواہ ہے کہ آغازِ آفرینش سے لے کر آج تک انسان نے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے مختلف زبانوں اور متنوع لغات کا سہارا لیا ہے۔ زبانوں کا یہ تنوع بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی ایک عظیم نشانی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِكُمۡ وَاَلۡوَانِكُمۡ" (الروم: ۲۲) اس (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے، دانش مندوں کے لئے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔

قارئین کرام! ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور اس کی قدرت کی نمایاں نشانی ہے۔ اسی کے ذریعے انسان اپنے خیالات، جذبات اور مقاصد کا اظہار کرتا ہے، نیز دین کی دعوت وتبلیغ اور شریعت کی تعلیم بھی زبان ہی کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں مبعوث فرمایا تاکہ وہ دین کو واضح طور پر پہنچا سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ

رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ " (ابراہیم:۴) اور ہم نے ہر رسول کو اسی کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ ان کے لیے (اللہ کا پیغام) خوب واضح کردے۔

یوں تو دنیا کی مختلف زبانوں میں اللہ کا پیغام آیا، لیکن مالک ارض وسما کا آخری پیغام، ہدایت وسعادت کا آخری سرچشمہ، اور رب کریم کا مستحکم ومضبوط قانون، علوم وفنون کا مکمل وجامع ترین صحیفہ یعنی قرآن مجید، عربی زبان میں نازل ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ" (یوسف:۲) بے شک ہم نے اس (قرآن) کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تا کہ تم اسے سمجھ سکو۔

عربی زبان کا مفہوم:

عربی زبان ان الفاظ اور تعبیرات کا مجموعہ ہے جنہیں اہلِ عرب اپنے اغراض ومقاصد اور خیالات کے اظہار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ (دیکھیں: الخصائص لابن جنی: ۱/ ۳۳)

زبانیں اگرچہ بے شمار تھیں لیکن اس قوانین الٰہی کے آخری مجموعے کے لیے صرف عربی زبان کو اختیار کیا گیا، کیوں کہ یہ ان متنوع خصوصیات اور گوناگوں امتیازات کو محیط ہے، جو دوسری زبانوں میں نہ تھے قرآن کریم کی آیات سے بھی عربی زبان کی افضلیت پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ ماہر لغت علامہ ابن فارس رحمہ اللہ آیات کریمہ "وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ... بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ" کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فَوَصَفَهُ جلَّ ثناؤه بأبلغِ ما يُوصَفُ به الكلامُ، وهو البيانُ" (الصاحبی فی فقہ اللغۃ العربیۃ: ص ۱۹) یعنی عربی زبان کی فضیلت اور برتری اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان جیسی آیات میں عربی کو بیان کی صفت کے ساتھ متصف کیا ہے۔ جو کہ کلام کی صفات حمیدہ میں انتہائی ارفع وابلغ صفت ہے۔

ان تمام خصوصیات سے بڑھ کر عربی زبان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ قرآن مجید، خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان ہے۔ اسی لیے دین اسلام کے بنیادی مصادر، قرآن وسنت کا صحیح فہم عربی زبان کے علم پر موقوف ہے۔ چنانچہ ائمۂ سلف نے دین میں گہری بصیرت اور نصوص شرعیہ سے درست استنباطِ مسائل کے لیے عربی زبان کے علوم میں مہارت کو ناگزیر قرار دیا ہے۔

فہم کلام الٰہی کے لیے عربی زبان کی اہمیت وضرورت:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی سب سے مقدس اور افضل کتاب ہے، اس لیے اس کے صحیح معانی ومفاہیم کو سمجھنا ہر مسلمان کے لیے نہایت اہم ہے۔ چونکہ قرآنِ کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس لیے اس کے الفاظ، اسالیب اور تراکیب کو سمجھے بغیر اس کا درست مفہوم حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سلفِ صالحین قرآنِ مجید کی تفسیر اور اس سے احکام کے استنباط کے لیے عربی زبان میں مہارت کو لازمی قرار دیتے تھے۔ مشہور تابعی مجاہد بن جبر رحمہ اللہ سے منقول ہے: "لا يحلُّ لأحد يؤمن بالله وباليوم الآخر أن يتكلَّم في كتاب الله إذا لم يكن عالما بلغات العرب" (البرہان فی علوم القرآن: ۱/ ۳۹۶) یعنی کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو جائز ہی نہیں ہے کہ کتاب الٰہی کے سلسلے میں کلام کرے جب تک کہ وہ کلام عرب سے واقف نہ ہو جائے۔ اور اسی طرح امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے منقول ہے: "لاأُوتى برجُل غير عالم بلغات العرب يفسِّر كتاب الله إلا جعلتُه نكالًا". (البرہان فی علوم القرآن: ۲/ ۳۰۲) یعنی میرے پاس اگر کوئی ایسا شخص لایا جائے جو

عربوں کی زبانوں کا علم نہ رکھتا ہو اور پھر بھی کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہو، تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں گا۔ اور علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر قرآن کے لیے عربی زبان کی اہمیت وضرورت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واعلم أنه ليس لغير العالم بحقائق اللغة وموضوعاتها تفسيرُ شيء من كلام الله." (البرہان في علوم القرآن: ۱/ ۳۹۹) یعنی یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ جو شخص عربی زبان کی حقیقت، اس کے معانی، قواعد اور اسالیب کا گہرا علم نہیں رکھتا، وہ قرآنِ مجید کے کسی بھی حصے کی تفسیر کرنے کا اہل نہیں۔

فہم احادیث رسول کے لیے عربی زبان کی اہمیت وضرورت:

احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآنِ کریم کے بعد شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا بنیادی ماخذ ہیں۔ چنانچہ سلف صالحین کے نزدیک احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح معانی ومفاہیم کو سمجھنے کے لیے عربی زبان میں مہارت ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عربی زبان کو فقاہت، اجتہاد اور افتاء کی بنیادی شرائط میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا يحلُّ لأحدٍ أن يُفتي في دين الله إلا رجلًا عارفًا بكتاب الله...ويكون بصيرًا باللغة..." (الفقیہ والمتفقہ: ۲/ ۳۳۱۔۳۳۲) یعنی اللہ کے دین کے بارے میں فتویٰ دینا کسی شخص کے لیے جائز نہیں، جب تک کہ وہ کتاب اللہ کا گہرا علم رکھنے والا نہ ہو۔۔۔ اور عربی زبان میں عبور حاصل نہ ہو۔ اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اس چیز کو واضح فرمایا ہے کہ مفتی کے لیے جن بنیادی اوصاف اور شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان میں سے ایک اہم شرط عربی زبان، اس کی لغت اور نحو میں مہارت ہے۔ (دیکھیں: المجموع للنووی: ۱/ ۷۵) اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مفتی اس وقت تک صحیح فتویٰ نہیں دے سکتا جب تک اسے کتاب اللہ، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عربی زبان کا صحیح فہم حاصل نہ ہو۔ (دیکھیں: إعلام الموقعین عن رب العالمین: ۱/ ۸۷)

جس طرح ایک مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان میں عبور رکھتا ہو، اسی طرح ایک مجتہد کے لیے بھی بنیادی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عربی زبان پر کامل عبور اور اس کے علوم میں وافر مہارت رکھتا ہو۔ چنانچہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ومن شروط المجتهد أن يعرف من لسان العرب ما يفهم به كلام الله ورسوله." (روضۃ الناظر وجنۃ المناظر: ۲/ ۳۴۲) یعنی مجتہد کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عربی زبان اتنی جانتا ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سمجھ سکے۔ اور امام شاطبی رحمہ اللہ نے بھی اس حقیقت کو واضح کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: "لا يبلغ درجة الاجتهاد من لم يبلغ في العربية مبلغ الأئمة فيها." (الموافقات: ۴/ ۱۱۵) یعنی جو شخص عربی زبان میں ائمۂ لغت کے معیار کے مطابق مہارت حاصل نہ کرے، وہ درجۂ اجتہاد تک نہیں پہنچ سکتا۔

محترم قارئین کرام! فہمِ کتاب وسنت کے لیے عربی زبان کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ محدثین نے روایت بالمعنی کی اجازت بھی اسی راوی کو دی ہے جو عربی زبان کے اسرار و رموز، اسالیبِ بیان اور دلالاتِ الفاظ سے بخوبی واقف ہو، تاکہ وہ الفاظ کی تبدیلی کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مفہوم و مراد کو صحیح طور پر محفوظ رکھ سکے۔ چنانچہ علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "إنما تجوز الرواية بالمعنى للعالم بما يحيل المعاني، العارف بدلالات الألفاظ." (الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص: ۱۹۹) یعنی روایت بالمعنی صرف اسی شخص کے لیے جائز ہے جو ان امور کا علم رکھتا ہو جن سے معنی بدل جاتے ہیں اور الفاظ کی

دلالتوں سے پوری طرح واقف ہو۔اور امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے بھی" مقدمہ" کے اندر اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:"إنما يجوز ذلك لمن كان عالماً بدلالات الألفاظ، بصيراً بمقاصدها."(معرفة أنواع علوم الحديث:ص ۲۱۴) یعنی قرآنِ کریم کی تفسیر صرف اسی شخص کے لیے جائز ہے جو الفاظ کے معانی، ان کی دلالتوں اور ان سے مراد مقاصد ومفاہیم پر گہری بصیرت رکھتا ہو۔

ان تمام دلائل، شواہد اور ائمۂ امت کے ارشادات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کتاب وسنت کے صحیح فہم، احکامِ شرعیہ کے درست استنباط اور دینی علوم میں بصیرت حاصل کرنے کے لیے عربی زبان پر عبور اور اس کے بنیادی علوم میں مہارت ناگزیر ہے۔

عربی زبان کے بنیادی علوم:

علومِ عربیہ سے مراد وہ علوم وفنون ہیں جو عربی زبان کو صحیح طور پر سمجھنے، بولنے اور لکھنے میں معاون ہوں، یہ علوم لغت، نحو، صرف، اشتقاق، معانی، بیان، بدیع (بلاغت)، عروض، قوافی، شاعری، انشاء پردازی، وغیرہ پر مشتمل ہیں۔(دیکھیں: المزهر في علوم اللغة العربية وأنواعها: ۱/۶، جامع الدروس العربية: ۱/۸)

فہمِ کتاب وسنت کے لیے عربی زبان کے بنیادی علوم میں لغت، نحو وصرف اور بلاغت کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ انہی کے ذریعے نصوصِ شرعیہ کے صحیح معانی و مفاہیم تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔(دیکھیں: مقدمة ابن خلدون: ۱/ ۷۵۳۔ ۷۶۴)

آئیے ذیل کی سطور میں یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ فہمِ کتاب وسنت میں علومِ عربیہ بالخصوص لغت، نحو وصرف اور بلاغت کی اہمیت اور ضرورت کیا ہے۔

فہم کتاب وسنت کے لیے علمِ لغت کی اہمیت:

قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ کے الفاظ کے صحیح معانی سمجھنے کی بنیاد لغت ہے۔ پس لغوی معانی سے ناواقفیت آیات واحادیث کی غلط تعبیر اور احکام کے فہم میں خطا کا سبب بن سکتی ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ"(البقرة: ۲۲۸) یہاں پر لفظ "قُرُوء" وارد ہوا ہے جو لغتِ عرب میں حیض اور طُہر دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔(لسان العرب: مادة: قرأ) اسی لغوی اشتراک کی بنا پر فقہاء کے درمیان عدت کے مسئلے میں اختلاف ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کے صحیح فہم کے لیے علمِ لغت نہایت ضروری ہے۔(دیکھیں: بداية المجتهد: ۳/ ۶۳۴)

فہمِ کتاب وسنت کے لیے علمِ نحو کی اہمیت:

علمِ نحو عربی زبان کا وہ بنیادی علم ہے جو الفاظ کے اعراب اور جملوں کی صحیح ترکیب کو واضح کرتا ہے۔ شرعی نصوص سے احکام کے درست استنباط کے لیے علم نحو کی واقفیت ضروری ہے۔ کیوں کہ اعراب کی معمولی تبدیلی بھی معنی کو بدل سکتی ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ" یہاں وَرَسُولُهُ مرفوع ہے، اس لیے معنی ہے:"اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہیں"۔ اگر نحو سے ناواقفیت کی بنا پر "وَرَسُولِهِ" پڑھا جائے تو معنی فاسد ہو جائے گا۔(دیکھیں: تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۱۰۹)

فہمِ کتاب وسنت کے لیے علمِ صرف کی اہمیت:

علمِ صرف عربی الفاظ کی ساخت، صیغوں اور اوزان کے ذریعے ان کے صحیح معانی کو واضح کرتا ہے۔ چونکہ قرآن و سنت کے بہت سے الفاظ کے معانی ان کے صرفی اوزان

پر موقوف ہیں، اس لیے ان کے درست فہم کے لیے علمِ صرف نہایت ضروری ہے۔ مثلاً: قرآنِ کریم میں "الرَّحْمٰن" کا لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے۔ علمِ صَرف سے معلوم ہوتا ہے کہ "الرَّحْمٰن" وزنِ فَعلَان پر صیغۂ مبالغہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں اور ہمہ گیر رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے علمِ صرف کے بغیر قرآن وسنت کے دقیق معانی کو صحیح طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔ (دیکھیں: بدائع الفوائد: ۱/ ۴۱ ۔ ۴۲) اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَعَنَ اللّٰہُ زَوَّارَاتِ الْقُبُورِ" (جامع الترمذی: ۱۰۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۵۷۶) اس حدیث میں "زَوَّارَات" وزنِ فَعَّال پر صیغۂ مبالغہ ہے، جو کثرتِ زیارت پر دلالت کرتا ہے۔ اس صرفی نکتے کی بنا پر اہلِ علم نے فرمایا کہ وعید ان عورتوں کے لیے ہے جو بار بار قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔ (دیکھیں: تحفۃ الأحوذی: ۴/ ۱۳۶)

فہم کتاب وسنت کے لیے علم بلاغت کی اہمیت:

علمِ بلاغت قرآن وسنت کے بلیغ اسالیب، جیسے تشبیہ، استعارہ اور کنایہ وغیرہ کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔ اس کے بغیر نصوصِ شرعیہ کے دقیق معانی اور مقاصد تک صحیح رسائی ممکن نہیں ہے مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ" (الحاقۃ: ۷) اس آیت میں قومِ عاد کے ہلاک شدہ لوگوں کو کھجور کے کھوکھلے تنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ علمِ بلاغت (تشبیہ مرسل) کی مثال ہے، جس سے قرآن کے اسلوبِ بیان کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ (دیکھیں: إعراب القرآن للدرویش: ۱/ ۱۹۱۔ ۱۹۲)

ان تمام دلائل، شواہد اور ائمۂ امت کے ارشادات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کتاب وسنت کے صحیح فہم، احکامِ شرعیہ کے درست استنباط اور دینی علوم میں بصیرت حاصل کرنے کے لیے عربی زبان پر عبور اور اس کے بنیادی علوم بالخصوص لغت، نحو وصرف اور بلاغت میں مہارت ناگزیر ہے۔

اسی بات کے پیشِ نظر امام شافعی رحمہ اللہ عربی زبان سیکھنے کو ضروری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق عربی زبان ضرور سیکھے، تاکہ وہ 'لا إله إلا الله محمد رسول الله' کی گواہی ادا کر سکے، اللہ کی کتاب کی تلاوت کر سکے، اور نماز وغیرہ میں فرض کیے گئے اذکار، تکبیر، تسبیح، تشہد اور دیگر شرعی اذکار صحیح طور پر ادا کر سکے۔" (الرسالۃ: ۴۸) اور امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الشريعة عربية، وإذا كانت عربية فلا يفهمها حق الفهم إلا من فهم اللغة العربية حق الفهم". (الموافقات: ۲/ ۷۹) یعنی شریعت عربی زبان میں نازل ہوئی ہے، لہٰذا اسے صحیح طور پر وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عربی زبان کو صحیح طور پر سمجھتا ہو۔

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فَإِنَّ نَفْسَ اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ مِنَ الدِّينِ، وَمَعْرِفَتُهَا فَرْضٌ وَاجِبٌ؛ فَإِنَّ فَهْمَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَرْضٌ، وَلَا يُفْهَمَانِ إِلَّا بِفَهْمِ اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ، وَمَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ." (اقتضاء الصراط المستقیم: ۱/ ۵۲۷) یعنی بلاشبہ خود عربی زبان دین کا حصہ ہے، اور اس کا سیکھنا واجب ہے؛ کیونکہ قرآن و سنت کو سمجھنا فرض ہے، اور ان دونوں کا صحیح فہم عربی زبان کے بغیر ممکن نہیں، اور جو چیز کسی واجب کی تکمیل کے لیے ضروری ہو، وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام: ان تمام دلائل، ائمۂ امت کے ارشادات اور علمی شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے صحیح فہم، احکامِ شرعیہ کے درست استنباط اور دینی علوم میں مہارت کے لیے عربی زبان اور اس کے بنیادی علوم بالخصوص لغت، نحو و صرف اور بلاغت سے واقفیت ناگزیر ہے۔ □

تعلیم وتربیت

حالات جب بھی مختلف ہوں......

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
پرنسپل پی گرلز اسکول، مدھوبنی (بہار)

مولانا عبدالسمیع بن محمد ہارون سلفی حفظہ اللہ کا تعلق بھوارہ، مدھوبنی، بہار سے ہے۔آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ بھوارہ، مدھوبنی، بہار میں حاصل کی۔اس کے بعد تعلیمی سال: (1988-1987) میں جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مسلسل 8 سال مدرسہ اسلامیہ بھوارہ میں تدریسی خدمات انجام دیئے، اور 1995ء میں حکومت بہار کی طرف سے اردو موضوع پر ہائی اسکول میں معاون مدرس کی حیثیت سے بحال ہوئے، پچھلے چند سالوں سے پرنسپل کی حیثیت سے ان کا پروموشن ہوا ہے، ابھی وہ پی گرلس کالج مدھوبنی بہار میں پرنسپل کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔آپ کے دینی واصلاحی مضامین ملک کے مختلف مجلوں اور روزناموں کی زینت بنتے رہے ہیں۔

آبشار ہوں یا دریا یہاں پانی سیل رواں کی طرح بہتے رہتے ہیں۔مسلسل بہتے رہنا اس کی فطرت سے زیادہ ضرورت ہے ورنہ اس کی موت طے ہے۔یعنی وہ پانی پھر خالص پانی نہیں رہ کر اس میں سراند یا بدبو پیدا ہوجائے گا۔تسلسل سے بہاؤ کی راہ میں اگر بڑا سے بڑا پتھر اور چٹان بھی آجائے تو وہ قریب سے اپنی راہ نکال لیتے ہیں۔ان سے تصادم مول نہیں لیتے۔قدرت سے یہ محض ایک مثال جس میں سبق یہ ہے کہ ہماری منزل میں آنے والی چھوٹی یا بڑی کوئی رکاوٹ سے تصادم کی بجائے اس سے کٹ کر علاحدہ راہ ہی سے نکل جانا ہی ہماری کامیابی اور منزل پانے کی ضمانت ہوتی ہے۔تصادم اور ٹکراؤ میں صرف خسارے ہیں۔زندگی کا یہ فلسفہ اور سبق ہر دور میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ترقی وکامرانی کا ضامن ہوا ہے۔استاذ الاساتذہ حضرت علامہ صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''الرحیق المختوم'' میں نبی ﷺ کی مکی زندگی کے مظالم کا بڑے مدلل اور مستند انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزائیں دے رہا تھا اور جس شخص کا کوئی قبیلہ نہ تھا ان پر اوباشوں اور سرداروں نے ایسے ایسے جور وستم روا رکھے تھے جنہیں سن کر انسان کا دل بھی بے چینی سے تڑپنے لگتا ہے''۔(ص ۱۳۸) مسلمانوں حتی کہ خود نبی کریم ﷺ پر بھی وہ مختلف طرح سے ظلم کرتے رہے، حالانکہ آپ ذاتی طور پر پُرشکوہ، باوقار اور منفرد شخصیت کے مالک تھے، دوست ودشمن سب آپ کی بے حد تعظیم کرتے تھے، ذاتی عظمت کے علاوہ چچا ابوطالب کی حمایت بھی حاصل تھی۔اسلام اور مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ جاری تھا۔مخالفین ومشرکین کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں مل رہی تھی تو ایک بار پھر ۲۵ سرداران قریش کی ایک کمیٹی بنی جس میں طے ہوا کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کی ایذا رسانی اور مسلمانوں کو طرح طرح کے جور وستم اور ظلم وتشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے''۔چنانچہ پھر مزید

شدت سے مظالم کا دور شروع ہوا اور مختلف طرح سے ہوا۔ ان حالات میں ایک راستہ تصادم اور مقابلے کا تھا دوسرا راستہ حکمت کے مطابق اپنے لیے دوسری راہ نکال کر اپنے مقصد کے حصول میں آگے بڑھنا۔ نبی کریم ﷺ نے یہی راستہ اختیار کیا۔ اسلامی تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں دار ارقم اور اس کی تاریخ، پس منظر و پیش منظر سب واضح کرتا ہے کہ تصادم کے بجائے اپنے لیے پُر امن دوسری راہ نکال کر آگے بڑھنا ہی حکمت کا تقاضا ہے اور ترقی و کامرانی کی ضمانت ہے۔ تاریخ اس پر گواہ ہے۔ فرد اور جماعت دونوں کی زندگی پر یہ اصول صادق آتا ہے۔ (ملخصاً: الرحیق المختوم)

وطن عزیز میں آزادی کے بعد سے کم وبیش آج تک اس ملک کی سب سے بڑی اکثریتی اقلیت کا معاملہ اس تعلق سے بڑا طویل اور واضح ہے کہ اسے کس کس محاذ پر اور کس کس طرح سے کیسے اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالے گئے کہ وہ معاشی، سیاسی، سماجی اور مختلف محاذ پر وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ ایسے میں اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کی بہترین صورت وہی ہے جو ہمیں سبق کے طور پر سیرت نبوی ﷺ سے ملتا ہے اور جس کی تائید قدرتی اصول سے لے کر تاریخ کے واقعات کرتے ہیں۔ موجودہ حالات میں جب ہم عالمی سطح پر دنیا بھر کے ممالک میں اقلیتوں کا اس تعلق سے مطالعہ اور تجزیہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام ممالک میں جہاں اقلیتیں روبہ ارتقاء ہیں اور اپنے ممالک میں عزت وافتخار کی زندگی جی رہے ہیں وہ انہیں تحفے اور مراعات کے طور پر حاصل نہیں ہیں، راہ میں حائل مشکلات اور مزاحمتوں سے متصادم ہونے کے بجائے سیاست کے جوہر میں خود کو گدلا کرنے کے بجائے تعلیمی، اقتصادی اور دیگر سماجی راہوں میں اپنے لیے راہیں نکال کر وہ نہ صرف آگے بڑھ رہے ہیں بلکہ وہ خود کے ساتھ اپنے گھر، خاندان، سماج، ملت کے ساتھ اپنے وطن عزیز کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

اس تعلق سے یہودی اقلیت کی مثال سب سے نمایاں ہے۔ صرف امریکہ میں وہ تعلیم، معیشت، سیاست، تجارت، میڈیا وغیرہ تقریباً ہر چیز پر کنٹرول ہے۔ امریکہ میں یہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں مگر وہاں اس کی طوطی بولتی ہے۔ شکاگو کے ایک یہودی ادارہ کے سربراہ سے سوال ہوا کہ یہودیوں کی اس برتری کا راز کیا ہے؟ تو ان کا جواب تھا کہ اپنے بچوں کو ہم شروع سے یہ بات ذہن نشین کراتے ہیں کہ یہاں تم اقلیت میں ہو اور عیسائی اکثریت میں، وہ لازماً ناانصافی کریں گے مگر اپنی محنت سے ان سے اتنا آگے بڑھ جاؤ کہ وہ ایسا کر ہی نہ سکیں، اگر کسی پوسٹ کے لیے سو امیدوار ہوں تو تمہارے لیے موقع صرف پانچ فیصد ہوگا اور دوسروں کے لیے 95%۔ مگر جب تک تم 95% سے زیادہ صلاحیت مند نہیں ہوگے اس وقت تک تم کو کوئی آگے نہ بڑھنے دے گا۔ یہودیوں کے لیے بھی دنیا بھر میں تمام اقلیتوں کی راہ میں بلاشبہ ہر جگہ رکاوٹیں آتی ہیں، مگر یہودی ان سے متصادم اور ٹکڑاؤ کے بجائے محنت، یکسوئی اور لگن کے جذبے سے دوسری راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ اور یہی یہودیوں کی ترقی کا راز ہے۔

ملیشیا مسلم اکثریتی ملک ہے۔ یہاں چینی اقلیت میں ہیں۔ دوسرے ممالک کی طرح یہاں بھی اقلیت ہونے کے ناطے اس کی راہ میں کئی مزاحمتیں اور رکاوٹیں ہیں، مگر یہ لوگ اس کے لیے احتجاج کرنے کے بجائے اپنے لیے

دوسری راہوں سے آگے بڑھنے میں عملی یقین رکھتے ہیں، چنانچہ وہ تعلیم اور تجارت کے میدان میں بڑے مضبوط ہیں۔ یہ مقام انہوں نے تصادم اور ٹکڑاؤ کے بجائے اپنی بے پناہ محنت ومشقت کے ذریعہ حاصل کیا ہے۔ اور وہاں ان میں بے پناہ اتحاد اور اپنے ہم وطنوں کو تعاون کرنے کا بے پناہ جذبہ ہے۔ آج بھی ملیشیا میں چینی اقلیت کا مختلف میدان بالخصوص تعلیم اور تجارت میں ان کا اپنا کنٹرول ہے۔

اپنے وطن عزیز میں سکھ، عیسائی اور پارسی بھی اقلیت میں ہیں ان کی اجتماعی حالت مسلم اقلیت سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ اس کے وجوہات واسباب جو بھی ہیں ان میں سے اکثر سے ہم واقف ہیں۔ ہمارے مشاہدے میں ہیں۔ بنیادی طور پر ان اقلیتوں نے تعلیم اور تجارت کی راہ کو اپنے وجود اور ترقی کے لیے منتخب کیا ہے۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ وطن عزیز میں مسلمانوں کے لیے بھی دوسرے ممالک کے اقلیتوں کی طرح کل بھی اور آج بھی ان کے وجود کی بقا اور ترقی کے لیے یہی راہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان میں یہ جذبہ پیدا ہوا ہے۔ میں اس کی بس ایک مثال دوں گا کہ بدلے حالات میں مسلمانوں نے خود کو بدلنے کی سعی کی ہے اور مزید کر رہے ہیں۔ میں نے بہار کے مدھوبنی ضلع میں تبادلے کے ذریعہ کئی ایک اسکول میں پرنسپل کی حیثیت سے کام کیا ہے اور اب بھی کر رہا ہوں۔ ان اسکولوں کے پرانے داخلہ رجسٹروں کو دیکھتا ہوں اور آج کل اس کا موازنہ کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ چند سال قبل تک گنتی کے مسلم لڑکے اور انتہائی قلیل تعداد میں مسلم لڑکیاں زیر تعلیم ہوتی تھیں۔ کالج وغیرہ میں تو سناٹا ہوتا تھا۔ مگر اب تعلیمی میدان میں مسلمانوں کے رجحان کا حال یہ ہے کہ تیس فیصد سے چالیس فیصد تک صرف مسلم لڑکیاں زیر تعلیم ہیں بلکہ ابھی ہمارے موجودہ اسکول میں وہ تقریبا پچاس فیصد ہیں۔ اسی رجحان کا نتیجہ ہے کہ کالج حتی کہ یونیورسٹیوں میں لڑکوں کے ساتھ باحجاب مسلم لڑکیاں عموماً اچھی تعداد میں نظر آتی ہیں۔ غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ خود میری طالبات میں سے کئی ایک اے ڈی ایم انجینئر اور لاتعداد ٹیچر بن کر خود کی اور وطن کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ ایسے کتنے ہی مسلم محلوں کو میں جانتا ہوں جہاں چند سال قبل تک ڈاکٹر اور انجینئر ڈھونڈنا ہی عبث تھا۔ اب وہاں روز افزوں اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ فللّٰہ الحمد۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وطن عزیز میں مسلمانوں کے لیے تعلیم کا میدان سب سے زیادہ وسیع بھی ہے اور ہمہ جہت مفید بھی ہے۔ تجارت کا میدان بھی ہے، سیاست بھی ہے.....مگر.....

مسائل ومشکلات، مزاحمتیں اور رکاوٹیں زندگی کے ہمہ جہت پہلو کے اعتبار سے، دین اور دنیا کے اعتبار سے بھی، چولی دامن کا ساتھ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو کئی جگہ اس کی جامع تعلیم دی اور ایسے مواقع پر اعراض کا حکم دیا۔ سورہ سجدہ میں مخالفین کے اطوار کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ. دوسری جگہ فرمایا اور خوب فرمایا: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ، الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ، وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ، وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ. (الحجر: ۹۴۔۹۹) □□□

گوشۂ طلبہ

اردو ادب کی ترویج واشاعت میں
ہندوستانی مدارس وجامعات کا کردار

محمد عیاض وکیل احمد

الطالب للسنة الأولى من كلية الحديث بالجامعة السلفية، بنارس

عزیزم محمد عیاض بن وکیل احمد سلمہ کا تعلق شنکر نگر، ضلع بلرام پور، اتر پردیش سے ہے۔ متوسطہ ثالثہ تک کی تعلیم اپنے گاؤں ہی کے مدرسہ" جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام" میں حاصل کی، اور ثانویہ ثانیہ کی تعلیم" معہد سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ لکھنؤ" اور" جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ڈومریا گنج سدھارتھ نگر" میں حاصل کی، بعدہ جامعہ سلفیہ بنارس میں مرحلہ عالمیت کی تکمیل کرنے کے بعد فی الحال فضیلت اول (کلیہ الحدیث سنہ اولیٰ) میں زیر تعلیم ہے۔

زبان کسی بھی معاشرے کے لیے شناخت کا درجہ رکھتی ہے۔ کوئی بھی سماج لسانی ارتقاء سے چشم پوشی کر کے بلندی کے خواب تو در کنار تادیر اپنی بقا کا بھی ضامن نہیں ہوسکتا۔ اردو زبان دنیا کی مقبول ومحبوب ترین زبانوں میں سے ہے۔ جس کی ابتدا وارتقا کے مراحل کئی صدیوں کو محیط ہیں۔

اردو غالباً دنیا کی واحد زبان ہے جس کی ابتدائی صورت پذیری اور نشونما کے بارے میں لسانی مباحث اور تحقیقی نزاعات ابھی تک جاری ہیں۔ اگر بہت اختصار کے ساتھ اردو زبان کی تاریخ پر روشنی ڈالی جائے تو شاید ڈاکٹر سراج الدین ندوی صاحب کے الفاظ سے زیادہ موزوں الفاظ نہ ملیں۔ آپ لکھتے ہیں: اردو زبان و ادب "نوابوں کے درباری جھولوں میں لوریاں سنتی ہوئی، صوفیوں اور مولویوں کی بوریوں پر کھیلتی ہوئی، دہلی کے داخلی کرب واضطراب اور فرحت و انبساط کی متضاد کیفیات سے سرشار ہوتی ہوئی، سرزمین پنجاب کے جذب وشوق سے مسحور ہوتی ہوئی، رام پور کی مستیاں سمیٹتی ہوئی، صحن مسجد ومدرسہ میں اپنے دامن کو تقدس وپاکیزگی سے معمور کرتی ہوئی آج دنیا کی مقبول ترین زبان بن گئی ہے"۔

اردو محض ایک زبان اور وسیلۂ اظہار نہیں بلکہ منفرد تہذیب اور طرز حیات بھی ہے۔ اردو زبان اگرچہ اپنی بے پناہ داخلی خوبیوں کی وجہ سے ارتقائی منازل طے کرتی جارہی ہے۔ لیکن اس سچائی سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنوں کی بے اعتنائی کا زبردست شکار رہی ہے۔ بے اعتنائی کی اس شب تاریک میں بوریا نشیں اہل مدارس نے اردو کے فروغ کی جو شمع روشن کر رکھی ہے وہ بہت ہی امید افزا اور راحت بخش ہے۔ اہل مدارس آج بھی اردو کے لیے پر جوش اور سینہ سپر ہیں۔ اور گزشتہ ادوار کے مانند آج بھی اردو زبان کی پختہ اور بنیادی تعلیم کے اہم مراکز ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ فورٹ ولیم کالج، جامعہ عثمانیہ دہلی کالج اور اورینٹل کالج (موجودہ علی گڑھ یونیورسٹی) نے اردو زبان کے ساتھ اردو ادب کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ لیکن ان سب کے درمیان ایک حلقہ ایسا بھی ہے جو خاموشی سے اردو

زبان کی صدیوں سے خدمت کر رہا ہے اور اپنے ابتدائی مراحل سے لے کر اب تک قائم ہے۔ وہ طبقہ ہے اہل مدارس وجامعات کا طبقہ جو درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ اردو زبان کو فروغ دے رہا ہے۔

یہاں ہم اردو زبان و ادب کے فروغ میں مدارس وجامعات کی خدمات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہندوستان کے اکثر وبیشتر مدارس وجامعات میں افہام وتفہیم اور درس وتدریس کے لیے اردو زبان کا سہارا لیا جاتا ہے۔ چونکہ مدارس وجامعات میں تشنگان علم ملک کے مختلف گوشوں سے آتے ہیں۔ جن کی زبانیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ ایسے میں اردو زبان ہی طلبہ واساتذہ کے مابین افہام وتفہیم کا ذریعہ بنتی ہے۔ تقریباً تمام مدارس میں ہفتہ واری انجمن کا انعقاد ہوتا ہے۔ جس میں اردو زبان کو اولین ترجیح دی جاتی ہے۔ کیونکہ آگے چل کر اگر برادران وطن تک اپنی بات پہنچانی ہے تو اردو زبان کا سیکھنا ایک امر ناگزیر ہے۔ اس مناسبت سے مدارس میں سال کے آخر میں سالانہ مسابقات کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ جس میں اردو زبان کے لیے ایک الگ مجلسیں قائم کی جاتی ہیں۔ اسی طرح مدارس وجامعات میں خطبۂ جمعہ، ہفتہ واری دروس وقتاً فوقتاً منعقد ہونے والے محاضرات بھی اردو زبان ہی میں پیش کیے جاتے ہیں، اردو چونکہ مختلف زبانوں کا مرکب ہے، جس میں فارسی زبان کا خصوصی دخل ہے۔ اس لیے اب بھی بعض مدارس میں فارسی کتب پڑھانے کا اہتمام ہے۔ صرف اردو زبان نہیں بلکہ جو مدارس ''مدرسہ بورڈ'' سے ملحق ہیں ان میں اردو ادب کی کتابیں مستقل مضمون کی حیثیت سے داخل نصاب ہیں۔ یہ اہل مدارس ہی ہیں جنہوں نے اردو کی صرفی اور نحوی ساخت کی تشکیل نئے لفظیات، استعارات، تشبیہات، تلمیحات اور لغت میں اضافہ کیا ہے۔ تقریباً تمام مدارس وجامعات میں ایک ''مکتبہ عامہ'' اور دوسرا ''مکتبہ برائے طلبہ'' ضرور ہوتا ہے۔ جن میں عربی کے بعد اردو کتب کا بڑا سرمایہ موجود ہوتا ہے۔ کیونکہ عربی زبان کے بعد اسلامیات کا سب سے بڑا خزانہ اردو زبان ہی میں ہے۔ بعض لوگوں کا گمان ہو سکتا ہے کہ اہل مدارس اردو زبان سے تھوڑی بہت واقفیت حاصل کر لیں تو یہی ان کے لیے بڑی بات ہے، ادب سے ان بوریا نشینوں کو کیا سروکار۔ لیکن ایک منصف مزاج اگر زمینی حقائق پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالے گا تو معلوم ہوجائے گا کہ مدارس کی چہار دیواری میں ''قال اللہ و قال الرسول'' کی صدائیں بلند کرنے والے بھی اردو، عربی بالخصوص اردو ادب سے کتنا گہرا شغف رکھتے ہیں۔ ان پروردگان مدارس کے عملی میدان پر نظر ڈالنے اور اردو زبان وادب کے ارتقائی مراحل کا حقیقت پسندانہ مطالعہ کرنے والا پروفیسر اختر الواسع صاحب کی باتوں سے ضرور اتفاق رکھے گا کہ ''اردو زبان شعر وادب اور صحافت سے تعلق رکھنے والی نہ جانے کتنی ہی ایسی مایہ ناز شخصیات ہیں، جو مدارس کی پروردہ ہیں، جن کی لسانی اور فکری تربیت مدارس کی چہار دیواری کے اندر ہوئی۔ کم لوگ اس سے واقف ہوں گے کہ علامہ نیاز فتح پوری (ت: ۱۹۶۶م)، فیض احمد فیض (ت: ۱۹۶۴م)، مجروح سلطان پوری (ت: ۲۰۰۰م)، اور کیفی اعظمی (ت: ۲۰۰۲م) جیسے لوگ اصلاً مدارس کی پیداوار تھے۔ علامہ شبلی نعمانی (ت:

۱۹۱۴م)، سید سلیمان ندوی (ت: ۱۹۵۳م)، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (ت:۱۹۷۹م)، مناظر احسن گیلانی (ت: ۱۹۵۶م)، سید صباح الدین عبدالرحمن (ت: ۱۹۸۷م) اور مولانا عبدالسلام ندوی (ت: ۱۹۵۵م) جیسے اردو کے ادبا اور اہل قلم مدارس کے فیضِ تربیت سے ہی آراستہ ہو کر نکلے''۔ اس لسٹ میں ڈپٹی نذیر احمد (ت: ۱۹۱۲م)، مولانا ابو الکلام آزاد (ت: ۱۹۵۸م)، مولانا حسین آزاد (ت: ۱۹۱۰م)، مولانا الطاف حسین حالی (ت: ۱۹۱۴م)، مولانا عبدالحلیم شرر (ت: ۱۹۲۶م)، مولانا عبدالماجد دریا آبادی (ت: ۱۹۷۷م)، مولانا ابو الحسن ندوی (ت: ۱۹۹۹م)، فضا ابن فیضی (ت: ۲۰۰۹م) اور مجاز اعظمی (ت: ۲۰۱۱م) جیسے عبقریات کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ جن کی اردو زبان وادب کے فروغ میں خدمات کا زمانے کو اعتراف ہے۔ اسی طرح مدارس سے نکلنے والے اخبارات و رسائل کی اردو خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے نکلنے والا رسالہ ''تعمیر حیات''، دارالعلوم دیوبند کا ''ماہنامہ دارالعلوم''، مدرسۃ الاصلاح کا ترجمان ''الاصلاح'' جامعۃ الفلاح کا ''حیات نو'' جامعہ اشرفیہ کا ''اشرفیہ'' اور جامعہ سلفیہ بنارس کا ''محدث'' اردو، ''طوبیٰ'' جامعہ امام ابن تیمیہ بہار، ''پیام توحید'' جامعہ امام بخاری بہار، ''الفرقان'' جامعہ اسلامیہ خیر الاسلام ڈومریا گنج ''صوت الاسلام'' جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی ''صوت الحق'' جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں، ''راہ اعتدال'' جامعہ دار السلام عمر آباد زبان کے فروغ میں جو خدمات انجام دے رہے ہیں اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

ملکی سطح پر ''روزنامہ راسٹریہ سہارا'' ہو یا ''ہمارا سماج'' ''صحافت'' ہو یا ''جدید خبر'' ''ہندوستان ایکسپریس'' ہو یا ''حالات وطن''، ''روزنامہ انقلاب'' ہو یا ''سیاسی تقدیر'' ان سبھی اخباروں میں ایڈیٹر، ریزیڈنٹ ایڈیٹر، ایسوسی ایٹ ایڈیٹر، سب ایڈیٹر، رپورٹر، پروف ریڈر اور کمپوزر وغیرہ میں اکثریت مدارس کے فارغین ہی کی ہے۔ اردو خوش خطی مختلف زبانوں کی کتابوں خصوصاً عربی کتب کے اردو تراجم، بیرونی ممالک میں اردو زبان کے تعارف وغیرہ میں خوشہ چینان مدارس کے مساعیٔ جمیلہ کا اگر مختصر تذکرہ بھی کیا جائے تو ایک کلاں دفتر درکار ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر یہ مدارس و جامعات اردو زبان سے بے اعتنائی و بے توجہی برتنے لگیں تو وہ دن دور نہیں کی اردو زبان بھی ہندوستان کی بہت سی زبانوں کی طرح اپنی شناخت کھو دے گی۔ □□

اس مختصر مقالے کی تیاری میں مندرجہ ذیل مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔ اردو کے فروغ میں مدارس کا کردار مرتب عبدالمعید قاسمی
۲۔ ہندوستان میں مدرسہ، تعلیم اور اردو زبان مقالہ از ڈاکٹر واثق الخیر (نئی دہلی)
۳۔ اردو ادب اور دینی مدارس مقالہ از ابوالقاسم فاروقی
۴۔ اردو ادب کی ترویج واشاعت .. علماء اور مدارس کا کردار مقالہ از مولانا سفیان علی فاروقی
۵۔ اردو زبان وادب کے ارتقا میں مدارس کا کردار مقالہ از ڈاکٹر شہنو از احمد
۶۔ اردو صحافت کے فروغ میں مدارس کا حصہ مؤلف ڈاکٹر محمد ڈاکٹر سراج اللہ تیمی

□□□

روداد چمن

جامعہ کے شب وروز

(الف) جامعہ سلفیہ بنارس میں جدید داخلے اور تعلیم کا آغاز

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں جدید تعلیمی سال (2026-2027) کا آغاز حسب اعلان ومجوزہ پروگرام 29/مارچ 2026م بروز اتوار ہوا۔

حسب سابق اس سال بھی شعبۂ حفظ، متوسطہ سال اول، عالمیت سال اول اور تینوں کلیات (الحدیث، الشریعۃ، الدعوۃ) کے سال اول میں جدید داخلے ہوئے۔ داخلہ امتحان (Entrance Examination) حسب دستور تحریری وتقریری دونوں طرح سے ہوا۔ تحریری امتحان مجوزہ پروگرام اور اعلان کے مطابق 30 مارچ 2026م بروز سوموار اور تقریری امتحان 31/مارچ 2026م بروز منگل ہوا۔ اس سال کل 193 طلبہ داخلہ امتحان میں شریک ہوئے جن میں سے 120 طلبہ کا داخلہ ہوا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) شعبۂ حفظ: 39

(2) مرحلہ متوسطہ: 53

(3) مرحلہ عالمیت سال اول: 17

(4) مرحلہ کلیہ: 11

اس سال جامعہ میں زیر تعلیم جدید وقدیم طلبہ کی کل تعداد 981 ہے، تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) مرحلہ کلیہ: 317

(2) مرحلہ عالمیت: 375

(3) مرحلہ ثانویہ: 63

(4) مرحلہ متوسطہ: 119

(5) شعبۂ حفظ: 107

تعلیم کا آغاز:

حسب اعلان و مجوزہ پروگرام تعلیم کا باضابطہ آغاز 4/اپریل 2026م، بروز سنیچر پہلی گھنٹی سے ہوگیا، حسبِ معمول محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ نے کلاسوں کا دورہ و جائزہ لیا اور اساتذہ وطلبہ کی پابندی کو دیکھ کر خوشی واطمینان کا اظہار کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ تمام اساتذہ کرام حفظہم اللہ اور تقریبا 95 فیصد سے زیادہ طلبہ کلاسوں میں حاضر تھے۔

(ب) ندوۃ الطلبہ کے اراکین کا انتخابِ جدید:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں ایک بہت ہی متحرک وفعال اور نشیط وسرگرم تنظیم "ندوۃ الطلبہ" کے نام سے قائم ہے، جس کے تحت طلبۂ جامعہ اپنے اساتذہ کرام حفظہم اللہ کے اشراف وصدارت اور نگرانی میں زبان وقلم اور تقریر وتحریر کی مشق وتمرین اور پریکٹس سال بھر کرتے ہیں۔

جامعہ کی یہ روایت رہی ہے کہ ہر سال تعلیمی سال کے شروع میں ندوۃ الطلبہ کے اراکین کا جدید انتخاب عمل میں آتا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک انتخابی مجلس 9/اپریل 2026ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء جامعہ کی پرشکوہ وعالیشان مسجد میں زیر صدارت فضیلۃ الشیخ محمد مستقیم سلفی (شیخ الجامعہ) حفظہ اللہ منعقد ہوئی، جس میں رواں تعلیمی سال (2026م-

2027م) ندوۃ الطلبہ کے جدید اراکین کا انتخاب کیا گیا۔
اراکین ندوۃ الطلبہ کے انتخاب نو کی اس مجلس میں درج ذیل اساتذہ کرام حفظہم اللہ شریک تھے:

(1) فضیلۃ الشیخ محمد مستقیم صاحب سلفی (شیخ الجامعہ) حفظہ اللہ
(2) فضیلۃ الدکتور عبدالصبور صاحب مدنی (نائب شیخ الجامعہ) حفظہ اللہ
(3) فضیلۃ الشیخ ابوصالح دل محمد صاحب سلفی حفظہ اللہ
(4) فضیلۃ الشیخ اسرار احمد صاحب ندوی حفظہ اللہ
(5) فضیلۃ الشیخ خورشید عالم صاحب مدنی حفظہ اللہ

ندوۃ الطلبہ کے منتخب جدید اراکین کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اراکین ندوۃ الطلبہ

۱۔تمیم بن ارشاد علی (ح ر ۳) صدر
۲۔ اسامہ خالد عبدالمنان (در ۳) نائب صدر
۳۔ضماد حیدر جمشید احسن قیصر (ش ر ۲) ناظم
۴۔عبدالخبیر عبدالحفیظ جوشی (در ۲) نائب ناظم
۵۔حمدان سکری بن ممتاز احمد سکری (ح ر ۱) خازن
۶۔احمد خان عباد اللہ خان (در ۲) محاسب

المنار

۱۔عبداللہ انس محمد شمیم (ش ر ۳) مدیر
۲۔سہیل اختر محمد ابوطاہر (ح ر ۳) نائب مدیر
۳۔عبدالمجید انصاری اسلم انصاری (در ۳)
۴۔احمد خان عباد اللہ خان (در ۲) کمپیوٹر کمپوزنگ
۵۔محمد عیاض وکیل احمد (ح ر ۱)
۶۔عمر عبداللہ بن عبداللہ سعود (ع ر ۱۔الف)

برنامج الاتقان

۱۔سرفراز احمد وصی اللہ (ح ر ۳) أمین البرنامج
۲۔فضیل الرحمن حماد الرحمن (در ۲) نائب أمین البرنامج
۳۔محمد ارمان محمد حیات اللہ (ش ر ۳)
۴۔محمد شرجیل انعام محمد انعام الحق (ش ر ۳)
۵۔محمد ارشاد محمد انظار (ش ر ۲) کمپیوٹر کمپوزنگ

دار الکتب

۱۔محمد عارف ضیاء اللہ (ح ر ۳) أمین
۲۔مستفیض عالم محمد نسیم اختر (ش ر ۲) نائب أمین
۳۔محمد ارشد مہدی حسن (ح ر ۳)
۴۔نور عالم عبدالرحیم (ح ر ۱)
۵۔حامد بن عبدالصبور (ع ر ۲۔ج)
۶۔عارف انصاری قسمت انصاری (ع ر ۲۔الف)
۷۔متکبر شیخ انیقول شیخ (ع ر۔ج)
۸۔عبدالرزاق بن عبدالقدیر (ش ر ۳)
۹۔حفیظ الرحمن عتیق الرحمن (در ۲)
۱۰۔عبدالحنان ثناء اللہ (ش ر ۲)

دار الاخبار

۱۔محمد ہشام الدین انصاری محمد نصر الدین انصاری (ح ر ۲) أمین
۲۔عبدالحلیم عادل عبیداللہ (در ۲) نائب أمین
۳۔منور علی خان عبدالمنان (در ۱) رکن
۴۔عادل سیف سیف اللہ (ع ر ۲۔ب) رکن
۵۔سہیل انصاری تمیز الدین انصاری (ع ر ۱۔الف) رکن
۶۔محمد ذیشان علی احمد (ع ر ۱۔ج) رکن

معتمدین (عربی)

۱۔عبدالعزیز منصور میاں (در ۳)

۲۔اسد اعجاز احمد (ع ر ۲۔ب) نائب أمین
۳۔انیس احمد مسلمان عبداللہ مسلمان (د ر ا) أمین
۴۔شوکت عالم اشفاق (ع ر ا۔ب) نائب أمین
۵۔عبدالرحیم مشتاق احمد (ع ر ۲۔الف) أمین
۶۔شوکت عالم جہانگیر عالم (ع ر ا۔ج) نائب أمین
۷۔شفیق اللہ بدرالدین (ع ر ۲۔الف) أمین
۸۔انعام المومن محمد حمید مومن (ع ر ۲۔ج) نائب أمین

معتمدین (اردو)

ا۔تہذیب عالم انصار علی (ح ر ۲) أمین
۲۔عبدالرحیم اجمل حسین (ع ر ا۔ج) نائب أمین
۳۔ارمان شیخ بلو شیخ (ش ر ا) أمین
۴۔اشتیاق سلیم الدین (ع ر ا۔الف) نائب أمین
۵۔عارف عالم رستم علی (ح ر ا) أمین
۶۔شاہنواز عالم انارالحق (ع ر ا۔ب) نائب أمین
۷۔عبدالرحیم خان بلال خان (ش ر ا) أمین
۸۔محمد تحفیظ انصاری فہیم الحق (ع ر ا۔الف) نائب أمین

(ج) ندوۃ الطلبہ کا افتتاحی پروگرام

بتاریخ 16راپریل 2026م، بروز جمعرات، صبح ساڑھے آٹھ بجے "قاعۃ المحاضرات" میں زیر صدارت محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ، ندوۃ الطلبہ کا افتتاحی پروگرام منعقد ہوا،تفصیل حسب ذیل ہے:

پروگرام کا آغاز محمد جعفر بن شفیق اللہ (عالمیت سال اول) کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔اس کے بعد اسامہ خالد اور اس کے رفقاء نے بہترین آواز و انداز میں ترانۂ جامعہ پیش کیا، اور سالِ رواں کے ناظمِ ندوۃ الطلبہ ضماد حیدر بن جمشید احسن قیصر (کلیۃ الشریعۃ سال دوم) نے ندوۃ الطلبہ کا مفصل تعارف پیش کیا۔تعارف میں درج ذیل پانچ شعبہ ہائے جات کی اہمیت وضرورت اور اس کی افادیت کو خصوصی طور پر بیان کیا گیا:

(1) شعبہ خطابت
(2) شعبہ صحافت
(3) دارالکتب
(4) دارالأخبار والجرائد
(5) برنامج الاتقان لتنمیۃ المہارات العلمیۃ والثقافیۃ

اس کے بعد عبدالعزیز بن منصور میاں نے عربی تقریر بعنوان: "من آداب طلب العلم" اور تمیم بن ارشاد علی (کلیۃ الحدیث ثالث) نے اردو تقریر بعنوان: "طلبۂ مدارس کے لئے چند راہنما خطوط" اور شمس الحق بن داؤد علی (کلیۃ الحدیث ثالث) نے انگریزی تقریر بعنوان: THE IMPORTANCE OF ENGLISH LANGUAGE FOR DAWAH پیش کیا۔

پھر اخیر میں صدر مجلس محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ نے نہایت جامع صدارتی کلمات پیش کیا،جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(1) علم کی اہمیت وفضیلت اور اس کی ضرورت وافادیت ہمیشہ مسلم رہی ہے،علم انسان کو مؤدب ومہذب بناتا ہے اور اسے صحیح ڈھنگ سے جینے کا سلیقہ سکھاتا ہے،طلبہ کو چاہئے کہ جامعہ کی علمی فضاء کو اپنے لئے غنیمت جانیں اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور جامعہ کی لائبریری سے بھرپور استفادہ کریں،نیز اساتذۂ کرام حفظہم اللہ سے زیادہ سے زیادہ

کسب علم کریں، اور اپنے اندر علمی گیرائی وگہرائی اور ٹھوس صلاحیت و قابلیت پیدا کریں، اور دین و مذہب، ملک وملت اور سماج و معاشرہ کی خدمت کا جذبہ صادق لے کر یہاں سے نکلیں۔

(2) علم کی حصولیابی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکرِخیر کرتے ہوئے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حصول علم میں مثالی تھے، تحصیل علم میں ان کی حرص وطمع، طلب وجستجو اور محنت ولگن کو مستند واقعات کی روشنی میں بیان کیا اور کہا کہ محسن انسانیت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیائے تعلیم وتعلم کے لئے مثالی معلم تھے. طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیرتوں کو بکثرت پڑھنا چاہئے اور علم وعمل میں مثالی طالب اور آئیڈیل اسٹوڈنٹ بننے کی کوشش کرنی چاہئے.

(3) ندوۃ الطلبہ کے جملہ شعبہ ہائے جات خصوصاً دارالکتب اور دارالأخبار والمجلات کو مزید منظم کرنے کی اور اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ "برنامج الإتقان لتنمية المهارات العلمية والثقافية" کے تحت ہونے والے پندرہ روزہ ثقافتی پروگراموں کے لئے سال کے شروع میں ہی ایسے علمی وتحقیقی عناوین کی تعیین کرلیں جوطلبہ کے لئے مفید سے مفیدتر ہوں، اور سالنامہ مجلہ" المنار" کو معیاری مضامین سے مزین کرنے کی کوشش ابھی سے شروع کر دیجئے تاکہ سالانہ امتحان سے پہلے پہلے طبع ہو کرآجائے.

(4) آپ طلبہ کے لئے ضروری ہے کہ آپ سب جامعہ میں باہم محبت وخیرخواہی اور اخوت و بھائی چارگی کے ساتھ رہیں، نیز آپس میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔

(5) جامعہ کی تاسیس اور اس کو پروان چڑھانے میں اسلاف اور جماعت کے بزرگوں کا ذکر کرتے ہوئے طلبہ سے خوب محنت ولگن اور انہماکی سے علم حاصل کرنے کی درخواست کی۔

(د) جامعہ میں تربیتی پروگرام

بلاشبہ تعلیم و تربیت دونوں باہم مربوط اور ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، تعلیم بلا تربیت کے اور تربیت بلا تعلیم کے نہ صرف یہ کہ ناقص و ادھوری بلکہ ضرر رساں ونقصان دہ ہوتی ہے، چنانچہ ہمیشہ غیر تربیت یافتہ معلموں اور غیر تعلیم یافتہ مربیوں سے قوم وملت اور سماج ومعاشرہ کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد تعلیم وتربیت دونوں بتایا ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: " هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" وہی اللہ ہے جس نے ان پڑھ اور ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جوانہیں اس کی آیتیں پڑھ کرسناتا ہے، اور ان کا تزکیہ وتربیت کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، یقینا یہ لوگ اس سے پہلے ضلالت وگمراہی میں مبتلا تھے۔(سورۃ الجمعۃ:2)

تعلیم وتربیت کی انہی غیر معمولی اہمیت وفضیلت اور ضرورت وافادیت کے پیش نظر جامعہ سلفیہ بنارس میں ہمیشہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، کیوں کہ تربیت انسان کو اخلاص وللہیت تقوی وطہارت، حسن اخلاق وحسن کردار اورامانت ودیانت وغیرہ صفات حسنہ سے متصف کرتی ہے۔

جامعہ میں طلبہ کے درمیان گاہے بہ گاہے تربیتی پروگرام منعقد کیا جاتا رہا ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی بتاریخ: ۱۱/اپریل ۲۰۲۶ء، بروز سنیچر، بعد نماز ظہر جامعہ کی پرشکوہ مسجد میں زیر صدارت محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ ایک پروگرام کا انعقاد ہوا، محترم ناظم اعلیٰ صاحب نے طلبہ کے درمیان درج ذیل نکات پر تربیتی ہدایات وتنبیہات کیں:

۱- شرعی وضع قطع اور جملہ اسلامی شعائر واحکام کی پابندی کریں۔نماز باجماعت ادا کریں اور سنن رواتب کو نہ چھوڑیں۔آپس میں بات چیت اور مہمانوں سے ملنے میں اچھے اخلاق والے بنیں۔ اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے تعلیمی ماحول کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے قیمتی اوقات کی قدر کریں۔

۲- کتاب کا مطالعہ اور لائبریری سے استفادہ، آپ کے ذہن اور آنکھ کی صحت کے لئے سوشل میڈیا کے مقابلہ بہتر اور علم کے حصول کے لئے مستند وپائیدار ہے۔ اساتذۂ کرام کی رہنمائی میں ترقی کرنے کی کوشش کریں اور سوشل میڈیا پر اعتماد نہ کریں اور اس پر وقت ضائع کرنے سے گریز کریں۔

۳- طلبہ پر لازم ہے کہ یونیفارم اور ID کے ساتھ وقت پر کلاس میں حاضر ہوں۔اپنی کتابوں کو اپنے ساتھ رکھیں۔ تعلیم کے اوقات میں کلاس سے باہر گھومنا منع ہے۔

۴- اساتذۂ کرام نظام الاوقات اور جامعہ کے نظام کے پابند ہیں۔طلبہ انہی سے علم حاصل کرنے کا طریقہ سیکھتے ہیں اور یہ طلبہ کے لئے نمونہ ہوتے ہیں، اس لئے طلبہ کی صحیح رہنمائی اوران کی مشغولیات پر نظر رکھنا ان کی ذمہ داری ہے۔لہٰذا طلبہ کے اوقات کی قدر کرتے ہوئے ان کے ساتھ مربی کا رول ادا کریں۔

۵- جامعہ کی بلڈنگ، ہاسٹل، اساتذہ کی رہائش گاہیں، کلاس روم، مسجد، جامعہ کا صحن وغیرہ صاف ستھرا ہونا چاہئے۔کسی جگہ گندگی وکوڑا نہ پھینکیں، کوڑادان کا ہی استعمال کریں۔ پان، مسالہ ومخدرات کا استعمال منع ہے۔کسی جگہ تھوکنے یا گندگی کرنے پر سخت مؤاخذہ ہوگا۔

۶- گیٹ کا نظام، لائبریری کے اوقات اور تعلیم اور آفس کے اوقات کی پابندی ضروری ہے۔

جامعہ کا گیٹ شام عصر بعد تا نماز مغرب طلبہ کی عام ضروریات کے لئے کھلا رہے گا اور رات دس بجے کے بعد (سردی کے ایام میں) اور گیارہ بجے کے بعد (گرمی کے ایام میں) کسی کو باہر رہنے کی اجازت نہیں ہے۔جو اس کی مخالفت کرے گا وہ گیٹ پر رجسٹر میں اپنا نام درج کرے گا۔

طلبہ عصر تا مغرب کے علاوہ علاج معالجہ واہم ضروری کام کے لئے ناظر دارالاقامہ سے تحریری اجازت لے کر اپنا کام کرسکیں گے۔

۷- جامعہ میں کرکٹ وفٹ بال کھیلنے سے بلڈنگ کو نقصان

پہنچ سکتا ہے اس لئے صرف والی بال کی فیلڈ بنائی گئی ہے۔عصر بعد طلبہ والی بال میں حصہ لیں۔کسی طرح کا شور کرنا ونعرہ بازی ممنوع ہے۔

۸- ہاسٹل میں رہنے والے طلبہ اپنے اپنے کمروں کی حفاظت وصفائی کے ذمہ دار ہیں۔بجلی وپنکھا حسب ضرورت استعمال کریں اور کمرہ خالی رہنے پر بند رکھیں، عام حالات میں رات گیارہ بجے لائٹ بند کر دیں، اس کے بعد اگر کسی کو پڑھنا ہوتو باہر کی لائٹ میں پڑھے۔ساتھیوں میں میل محبت اور آپسی تعاون ضروری ہے۔

اگر کسی کمرہ والے اضافی پنکھا یا کولر استعمال کرنا چاہیں تو اس کی فیس جمع کر کے استعمال کر سکتے ہیں۔فیس کی رسید اجازت نامہ ہوگا۔

طلبہ کے لئے ہیٹر و پریس کا استعمال ممنوع ہے۔

جامعہ میں استری کرنے والے کو معاوضہ پر رکھا گیا ہے۔رعایتی ریٹ پر استری کرا سکتے ہیں۔

کمرہ میں کسی طرح کے نقصان یا بجلی کو بغیر ضرورت جلتا چھوڑنے پر مواخذہ ہوگا اور ادارہ جو فیصلہ کرے اس کو ماننا ہوگا۔

۹- شیخ الجامعہ کی اجازت کے بغیر طلبہ کوئی نجی پروگرام نہیں کریں گے اور تعلیم کے ایام میں کسی طرح کی تنظیم اور سیاسی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکتے۔ ہاسٹل میں رہنے والے طلبہ جامعہ سے باہر بلا اجازت کوئی کام نہیں کر سکتے۔

۱۰- جامعہ تعلیم وتربیت گاہ ہے۔ یہاں مسافر خانہ نہیں ہے اس لئے غیر متعلق اشخاص کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔طلبہ بھی اپنے ہاسٹل میں کسی کو نہیں ٹھہرا سکتے۔

جامعہ کے محسنین یا جامعہ کے فارغین اگر جامعہ سے کام کے لئے آتے ہیں تو ان کو ٹھہرنے کی محدود مدت کے لئے اجازت ہوگی اور ان کا نام اور قیام کا مقصد درج رجسٹر کیا جائے گا۔

پہلی تعلیمی میٹنگ

جامعہ سلفیہ بنارس ملک ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کا متفقہ مرکزی ادارہ ہے، جہاں زیر تعلیم طلبہ کو ٹھوس تعلیم وتربیت دینے کی ہر ناحیہ سے ہمیشہ کوشش کی جاتی رہی ہے، چنانچہ تعلیم وتربیت کے نظام کو بہتر سے بہتر نیز طلبہ کے لیے مفید سے مفید تر بنانے کے لیے سال بھر موقع بہ موقع حسب ضرورت میٹنگوں کا انعقاد ہوتا رہتا ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ۸/اپریل ۲۰۲۶ء بروز بدھ دارالضیافہ میں گیارہ بج کر پچیس منٹ پر زیر صدارت محترم ناظم اعلیٰ عبد اللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ رواں تعلیمی سال (۲۷-۲۰۲۶ء) کی پہلی تعلیمی میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں جامعہ کے تمام تعلیمی شعبوں کے جملہ اساتذۂ کرام حفظہم اللہ نے شرکت کی۔

جامعہ سلفیہ بنارس کی تاسیس کب اور کس پس منظر میں عمل میں آئی ہے اور اس کے اغراض ومقاصد کیا تھے، اساتذۂ کرام بخوبی واقف ہیں۔الحمد للہ جامعہ ملک کے دیگر جامعات کے مقابلہ میں تعلیمی وتربیتی خدمات کی وجہ سے ممتاز ومقبول ہے، جب کہ سوشل میڈیا میں جامعہ کی کارکردگی کی تشہیر بھی نہیں کی جاتی ہے۔ہمیں آپ

اساتذۂ کرام کی خدمات کا ہمیشہ سے اعتراف ہے، اس کا صحیح اجر آخرت میں ملے گا۔ ان شاء اللہ۔

مذکورہ تمہیدی کلمات کے بعد محترم ناظم اعلیٰ صاحب حفظہ اللہ نے تعلیمی وتربیتی اعتبار سے جامعہ کو مزید مستحکم ومنظم کرنے کے لئے درج ذیل باتیں کہیں:

۱- قدیم اساتذۂ کرام سے مشورہ مطلوب ہے کہ تعلیم وتربیت ونصاب تعلیم یا طلبہ کے اخلاق سے متعلق کوئی کمی یا خامی آپ کی نظر میں ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ اصلاح کی جاسکے۔

۲- طہارت ونظافت اور صفائی وستھرائی خواہ قلبی ہو یا جسمانی یا مکانی سب مطلوب وممدوح ہے، جامعہ میں اس کی ازحد ضرورت ہے، صفائی وستھرائی سے صحت اچھی رہے گی۔ لہٰذا جامعہ میں نظافت اور صفائی پر مزید توجہ کی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں طلبہ کی تربیت بھی ضرورت ہے۔

۳- طلبہ کی علمی زندگی بہت قیمتی ہوتی ہے، اس کی قدر کرنا بہت ضروری ہے، کلاس میں طلبہ کی حاضری زیادہ سے زیادہ ہو، اس پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۴- طلبہ سے گفتگو کا اسلوب بہتر سے بہتر ہو اور اس کے ذریعہ ان کی تربیت بھی ہو، زبان اور انداز تکلم دونوں اچھے ہوں، الفاظ وتلفظ دونوں بہتر سے بہتر ہونا چاہئے۔

۵- کتاب وسنت پر مبنی اعتدال ومیانہ روی کی تعلیم ہو، جارحانہ گفتگو نہ کی جائے، ناصحانہ اور افہام وتفہیم کا انداز اختیار کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں ہفتہ واری انجمنوں میں طلبہ کی تقریروں پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۶- جامعہ میں سالانہ تعلیمی وتربیتی برنامج وقت پر تیار ہو جانا چاہئے تاکہ کام صحیح طریقہ سے بروقت بحسن وخوبی انجام پائے۔ لہٰذا رواں سال کا تعلیمی وتربیتی برنامج ہفتہ عشرہ میں مکمل کرلیا جائے۔

۷- اساتذۂ کرام کو چاہئے کہ تدریس میں کوتاہی نہ کریں، شروع سال ہی سے اس طرح پڑھائیں کہ نصاب بہ آسانی مکمل ہو جائے اور سال کے آخر میں دوڑانا نہ پڑے۔

۸- ہندوستان کی موجودہ صورت حال سب کے سامنے ہے، گیس کی قلت دامن گیر ہے جو کہ تشویشناک ہے، ہماری پوری کوشش ہے کہ مطبخ بند نہ ہو اور تعلیم کا سلسلہ جاری رہے۔

۹- درس گاہ اور درس گاہ سے باہر، جامعہ اور جامعہ سے باہر کوئی کسی کی برائی وغیبت نہ کرے، میں اسے سخت ناپسند کرتا ہوں کیونکہ شریعت نے اس کی سخت مذمت کی ہے۔

۱۰- آئندہ سال سے طلبہ جامعہ کو پابند کیا جائے کہ ایک مرحلہ مکمل کرنے کے بعد جو طلبہ اگلے مرحلہ کے لئے جامعہ نہ آنا چاہیں وہ پہلے ہی جامعہ کو مطلع کردیں۔

ابوصالح دل محمد سلفی

□□□

فقہ وفتاوی

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں:

ایک خاتون ہے جو اپنے گھر میں بیڑی، سگریٹ (Cigarette) اپنے ہاتھوں سے بناتی ہے اور اس کے ذریعہ کمائی کرتی ہے، جس سے اس کا گھر چلتا ہے، بچوں کی پڑھائی لکھائی میں بھی اس کمائی کے ذریعہ اخراجات برداشت کرتی ہے۔

تو شریعت اسلامیہ میں اس کام کا اور اس کی کمائی کا کیا حکم ہے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، جزاکم اللہ خیرا۔

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

صورت مسئولہ میں محققین علمائے کرام کا صحیح اور راجح موقف یہ ہے کہ یہ ناجائز اور حرام ہے، درج ذیل وجوہ کی بنا پر:

اولاً: یہ واضح ہو کہ یہ خبائث میں سے ہے اور ہر خبائث کو اللہ تعالی کے اس فرمان: "وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ" (الاعراف: ۱۵۷) یعنی "نبی امی ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک وگندی چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں" سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموع الفتاوی (۲۱/ ۵۴۰) میں طیب اور خبیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "فكل ما نفع فهو طيب وكل ما ضر فهو خبيث والمناسبة الواضحة لكل ذي لب ان النفع يناسب التحليل والضرر يناسب التحريم" یعنی ہر نفع بخش چیز طیب وپاک ہے اور ہر ضرر رساں چیز خبیث وگندی ہے، اور ہر عقل مند شخص کے لیے یہ بات واضح ہے کہ نفع ہی حلت کے مناسب ہے اور ضرر حرمت کے مناسب ہے۔ اور دوسری جگہ (۱۷/ ۱۸۰) میں فرماتے ہیں: "فالطيبات التي أباحها هي المطاعم النافعة للعقول والأخلاق، والخبائث هي الضارة للعقول والأخلاق" یعنی طیبات کو اللہ تعالی نے حلال ٹھہرایا ہے وہ کھانے پینے کی چیزیں ہیں جو عقل واخلاق کے لیے نفع بخش ہیں اور خبائث وہ چیزیں ہیں جو عقل واخلاق کے لیے ضرر رساں ہیں۔ اس اعتبار سے تمباکو خبائث میں شامل ہے، کیونکہ عقل واخلاق دونوں کے لیے ضرر رساں ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے محققین علمائے کرام نے بیڑی سگریٹ کو خبائث میں شمار کیا ہے۔ جناب شیخ ابن باز اپنے ایک فتوی میں لکھتے ہیں: "الدخان محرم بكونه خبيثا ومشتملا على أضرار كثيرة والله سبحانه وتعالى انما أباح لعباده الطيبات

من المطاعم والمشارب وغيرهما وحرم عليهم الخبائث، قال الله سبحانه وتعالى في وصف نبيه صلى الله عليه وسلم في سورة الأعراف: 157 ”يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ“.

والدخان بأنواعه كلها ليس من الطيبات بل من الخبائث، وهكذا جميع المسكرات كلها من الخبائث والدخان لا يجوز شربه ولا بيعه ولا التجارة فيه كالخمر، والواجب على من كان يشربه ويتجر منه البداءة بالتوبة والانابة إلى الله سبحانه وتعالى والندم على مما قضى والعزم على أن لا يعود في ذلك ومن تاب صادقا تاب الله كما قال عز وجل: وتوبوا إلى الله جميعا أيها المؤمنون لعلكم تفلحون“(النور:۳۱)(الفتاوی للشیخ ابن باز:۱/۳۶۶)

یعنی سگریٹ نوشی حرام ہے کیوں کہ یہ گندی چیز ہے اور بہت سے نقصانات پر مشتمل ہے اور اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے کھانے پینے کی چیزوں میں سے پاکیزہ چیزیں حلال ومباح کی ہیں اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے اور تمباکو اپنی تمام قسموں سمیت پاکیزہ چیزوں میں سے نہیں، بلکہ گندی چیزوں میں سے ہے، اسی طرح تمام نشہ آور چیزیں بھی گندی چیزوں میں سے ہیں۔ اس لیے تمباکو نہ پینا جائز ہے نہ اس کی بیع وشراء اور تجارت جائز ہے، جیسا کہ شراب کی صورت ہے۔

لہذا جو شخص سگریٹ پیتا ہے اور اس کی تجارت کرتا ہے اسے جلد ہی اللہ تعالی کے حضور رجوع اور توبہ کرنا، گذشتہ فعل پر نادم ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا چاہیے۔ اور جو شخص سچے دل سے توبہ کرے اللہ تعالی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ”اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ“۔

ثانیاً: حرام ہونے کی دوسری وجہ اس کا نشہ پیدا کرنا ہے۔ بہت سے علمائے محققین کی رائے ہے کہ تمباکو مسکر ونشہ آور ہے۔ اور نشہ آور اشیاء کے استعمال سے شریعت نے منع کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل مسکر خمر وکل مسکر حرام.(الاشربۃ، رقم:(۲۰۰۳) ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر قسم کی خمر حرام ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت عائشہ سے مرفوعاً روایت منقول ہے: کل مسکر حرام وما أسکر منه الفرق فحل الکف منه حرام.(الترمذی، الأشربۃ باب ما جاء ما أسکر کثیرہ فقلیله حرام، برقم:۱۸۶۶) ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کا ایک گھونٹ پینا بھی حرام ہے۔

علامہ شیخ احمد بن حجر آل بوطامی فرماتے ہیں: نقل متواتر سے اس کا مسکر ہونا ثابت ہے وہ اس طرح کہ اس کو استعمال کرنے والے بہت سے لوگ اپنی عقل کھو بیٹھے، بعض آگ میں جل کر مر گئے، بعض سمندر میں گر کر مر گئے،

بعض کنویں میں گر کر ہلاک ہو گئے، ان حقائق کا انکار مکابر، ہٹ دھرم اور ضدی ہی کر سکتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں ''پہلی مرتبہ یا ایک مدت تک چھوڑنے کے بعد استعمال کرنے والوں کے لیے تمباکو مسکر (نشہ آور) ہے، یہ صفت اس کو حرام قرار دینے کے لیے کافی ہے، تحریم کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر استعمال کرنے والے کے لیے مسکر ہو''۔

ثالثاً: تمباکو دیگر وجوہ سے بھی حرام ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی تحریر (تمباکو۔ زہر قاتل ص ۹۵۔ ۹۶، مرتب: عبدالرحمن کوندو) میں ملاحظہ فرمائیں، شیخ الحدیث صاحب ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں: ''زردہ تمباکو کھانا پینا یا اس کا منجن استعمال کرنا یا ناک میں اس کا سڑکنا اور سونگھنا میرے نزدیک جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے اور نہ اس کی تجارت کرنی ٹھیک ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس کا استعمال تمام اطباء کے نزدیک بالاتفاق مضر صحت ہے، اور صحت کو خراب کرنے والی چیزوں کا استعمال شرعاً حرام ہے''۔

رابعاً: اس لیے کہ تمباکو کھانے اور پینے والے کے منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، جس سے اپنے بغل میں کھڑے ہونے والے نمازی کو اذیت و تکلیف پہنچتی ہے، نیز مسجد میں ایسی بدبو دار چیز کے ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے، بلکہ ناجائز ہے۔

خامساً: اس وجہ سے کہ تمباکو کا استعمال کھانے اور پینے میں اسراف وتبذیر ہے اور اسراف وتبذیر دونوں شرعاً حرام ہے۔

سادساً: اس لیے کہ تمباکو کھانا بدن میں سستی اور سر میں چکر اور عقل میں فتور نیز خدر و بے حسی کا اثر پیدا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے مسکر کی طرح مفتر سے بھی منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے: **نهى عن كل مسكر و مفتر.** (صحیح الجامع الصغیر: ۶۹۴۷)

اوپر کی تمام تفصیلات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ تمباکو اور تمباکو سے بننے اور بنانے والی تمام چیزیں مثلاً: بیڑی، سگریٹ، زردہ، گل وغیرہ سب حرام ہیں اور جب یہ حرام ہیں تو ان کا بنانا اور ان کی بیع وشراء سب حرام اور ناجائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بری لت سے بچائے، آمین۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

ابوعفان نور الہدیٰ عین الحق سلفی

جامعہ سلفیہ، بنارس

□□□

PRINTED BOOK

September 2026

ISSN 2394-0212
Vol. 43 No.9
R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
Website: www.mohaddis.org

ادارہ بحوث اسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس کی تازہ پیشکش

العمدة فی الأحکام

حافظ تقی الدین ابومحمد عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی رحمہ اللہ کی کتاب ”عمدۃ الأحکام“ احادیثِ احکام پر لکھی گئی نہایت جلیل القدر اور ممتاز کتابوں میں شمار ہوتی ہے، بلکہ ترتیب و انتخاب کے اعتبار سے بہترین کتب میں سے ایک ہے۔ مؤلف نے اس میں وہی احادیث جمع کی ہیں جن کی تخریج امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام مسلم بن حجاج نیشاپوری رحمہما اللہ، اپنی صحیحین میں کی ہے۔ اس طرح انہوں نے صحیح ترین احادیث کے انتخاب کے ساتھ علمی حسنِ ترتیب کو بھی یکجا کر دیا ہے۔

مزید برآں، مؤلف نے مشکل اور غیر معروف الفاظ (غریب الحدیث) کی وضاحت کا بھی اہتمام کیا ہے۔ کتاب کی عبارت نہایت آسان، اسلوب دلکش، ترتیب عمدہ اور استفادہ نہایت سہل ہے، جس کی وجہ سے یہ ان نفیس اور قیمتی علمی متون میں شمار ہوتی ہے جن سے کوئی بھی طالبِ علم بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

اس کتاب کا ایک نمایاں امتیاز اس کی بہترین تبویب اور فقہی ابواب کی منظم تقسیم ہے۔ ہر باب کے لیے نہایت موزوں اور بامعنی عنوانات قائم کیے گئے ہیں، جو مؤلف کے گہرے فقہی فہم اور وسیع علمی مقام کی روشن دلیل ہیں۔ اسی وجہ سے اہلِ علم کے نزدیک بیحد مقبول ہوئی، اور انہوں نے اس کی متعدد شروحات اور تعلیقات تحریر کیں، اور یہ ان بنیادی علمی متون میں شامل ہوگئی جنہیں مختلف ممالک اور علاقوں میں طلبۂ علم شوق سے حفظ کرتے، پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس گزشتہ کئی برسوں سے اپنے طلبہ میں قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ اور مختلف علوم وفنون کی مستند علمی متون حفظ کرانے کا خصوصی اہتمام کرتی آرہی ہے، تاکہ ان کے علمی وثقافتی معیار کو بلند کیا جائے اور ان کی علمی و دعوتی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جائے۔ اسی مقصد کے تحت جامعہ طلبہ کے درمیان مفید علمی مسابقوں کا بھی انعقاد کرتی ہے اور نمایاں کامیابی حاصل کرنے والوں کو حوصلہ افزائی کے طور پر انعامات سے نوازتی ہے، تاکہ ان میں حفظ و اتقان کا شوق پیدا ہو اور یہ علمی سرمایہ مستقبل میں ان کی علمی و دعوتی زندگی کے لیے بہترین زادِ راہ ثابت ہو۔

اسی جذبے اور مقصد کے پیشِ نظر ہم نے ”عمدۃ الأحکام“ کی طباعت و اشاعت کا فیصلہ کیا ہے، تاکہ یہ کتاب آسانی کے ساتھ طلبہ کے ہاتھوں تک پہنچ سکے اور وہ اس میں مذکور جامع احادیث، مفید شرعی احکام اور گراں قدر علمی فوائد سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Idaratul Buhoosil Islamia Wad-Dawah Wal Ifta, Jamia Salafiah
B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Dil Mohammad Salafi
Printed at Salafia Press, Varanasi.